لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحج أشهر معلومات

فمن فرض فيهن الحج فلا رفث
ولا فسوق ولا جدال في الحج
وما تفعلوا من خير يعلمه الله
وتزودوا فإن خير الزاد التقوى
واتقون يا أولي الألباب

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

جہانِ آب و گِل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوّت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقبالؒ

Regd No. LW/NP 56
Phone: 42948 / 48747
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

پھول کی طرح تر و تازہ

اگر جلدی امراض یا فسادِ خون کی
شکایت ہو، چہرہ پژمردہ نظر آتا ہے
صافی

پھوڑے پھنسی خارش اور داد سے نجات دے
کر جسم اور چہرے کو پھول کی طرح تر و تازہ رکھتا ہے

عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY. 3.
Tele. Add. CUPKETTLE
Phone SHOP: 352220
RESI: 378854

۴۴۔ حاجی بلڈنگ، ایس وی پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

اسپیشل مکسچر
اسپیشل ممری
ہوٹل مکسچر
سوداگر مکسچر
کپ برانڈ
گولڈن ڈسٹ
فلاور بی، او، پی
سوپر ڈسٹ

سرزمینِ رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات

شمامۃ العنبر
زعفرانی حنا

محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس کا کارخانہ

یوسف بلڈنگ نادان محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کریں۔

بمبئی میں
خالص گھی اور
میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
دربی فروٹ برفی

بنگ کیک • قلاقند • ملائی • برفی • کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں

سلیمان عثمان مٹھائی والے

مینارہ مسجد کے نیچے بمبئی
320050
بیکری — ۳۳ محمد علی روڈ بمبئی ۳

شعراء حضرات متوجہ ہوں!

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال پر ملک کے جن شعراء حضرات نے نظمیں لکھی ہوں وہ اس ماہ کے اخیر تک ذیل کے پتے پر ارسال فرمادیں۔ ان نظموں کو کتابی شکل میں جلد ہی پیش کرنے کا ارادہ ہے، نیز مبلغ دس روپے ۱۰/- بطور اپنی نظموں کے ساتھ زرِ تعاون بھی ارسال فرمائیں تاکہ کتاب بہتر شکل میں جلد سے جلد شائع کی جاسکے۔

مجیب بستوی، انجمن افکارِ ادب، ہریانواں بازار، ضلع بستی (یوپی)

لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۸ | ۲۵ اگست سنہ ۱۹۸۱ء — ۲۴ شوال سنہ ۱۴۰۱ھ | شمارہ نمبر ۲۰

زرِ تعاون

اندرون ملک	بیس روپے
فی پرچہ	ایک روپیہ
بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ جملہ ممالک	۵ پونڈ
ہوائی ڈاک	
ایشیائی ممالک	۷ پونڈ
افریقی ممالک	۸ پونڈ
یورپ و امریکہ	۱۰ پونڈ

اداریہ

محمد رابع ندوی

اجتماعی کامیابی کا راستہ

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے اپنے دل میں وسعت اور اس کے معاملہ میں رواداری اور لحاظ کا رویہ اختیار کرے، اس سے محبت کے ساتھ پیش آئے، اس کا جو اجتماعی اور اخلاقی حق ہے اس کو پورا کرے، اس سے رائے کا اتفاق ہو تو ظاہر ہے کہ دونوں میں توافق و یکجہتی خود بخود پیدا ہوگی، لیکن اگر رائے کا اختلاف ہے تو پھر اس کی ضرورت ہے کہ رواداری برداشت اور لحاظ کا معاملہ اختیار کیا جائے، اور یہی وہ موقع ہوتا ہے جہاں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے حقِ اخوت کی ادائیگی کا امتحان ہوتا ہے۔ مسلمان کو اس سلسلہ کی ہدایت اور رہنمائی اس کے مذہب اور علم الاخلاق دونوں کی طرف سے ملی ہے، اور دیگر قوموں کے افراد نے صرف علم و مطالعہ سے ان اخلاقیات کی ضرورت محسوس کی ہے، لیکن مسلمان اس کے باوجود اس سلسلہ میں کمزور اور کوتاہ ہیں، اور ترقی یافتہ قومیں اپنی اجتماعی زندگی کی ان اخلاقیات پر خاصی حد تک عامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم کو ان ترقی یافتہ قوموں کی اجتماعی زندگی میں نظم و توافق کی نمایاں مثالیں ملتی ہیں، اور ان کی اس خصوصیت کی بنا پر ان قوموں میں اجتماعی یکجہتی اور نظم و ضبط کا بڑا اظہار ہوتا ہے اور یہ ان کی طاقت و دنیاوی کامیابی کا بڑا راز ہے۔

اس کے برعکس مشرق کی ترقی پذیر قوموں میں اور خاص طور پر مسلمان ملکوں اور ان کے معاشروں میں ایسی پراگندگی، انتشار و اختلاف نظر آتا ہے کہ دیکھنے والا یہ محسوس کرسکتا ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن ہیں، اور صرف کسی دباؤ و مجبوری کی بنا پر اکٹھا رہتے ہیں، لیکن ان کے دل و دماغ ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں، کیونکہ جہاں چار آدمی اکٹھا ہوئے اور انہوں نے کسی کام کے سلسلہ میں تعاون کا منصوبہ بنایا تو تھوڑی ہی مدت میں ان میں اختلاف شروع ہوجاتا ہے، جو بعض وقت کھلے تصادم تک پہونچ جاتا ہے، اور پھر کم از کم ایک دوسرے سے علیحدگی پر ختم ہوتا ہے، یہ وہ مرض ہے جس نے مسلمان معاشروں کو بالکل کھوکھلا کردیا ہے، اس کی ایک وجہ تو خودرائی اور خودپسندی ہے جو ایک عام مرض کی طرح مشرقی معاشروں اور مسلمانوں میں پھیل چکی ہے، دوسرے اپنے ذاتی فائدہ کو اجتماعی اور قومی فائدے پر ترجیح دینے کی کمزوری ہے، جو ایک طرح سے عام مزاج بنتی جارہی ہے، ہر شخص اپنی رائے کو صرف صحیح ہی نہیں سمجھتا بلکہ آخری حد تک صحیح سمجھتا ہے، پھر اس سے مختلف رائے خواہ قریبی دوست کی طرف سے یا اس کے ہمراہ ساتھی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو لائق توجہ نہیں سمجھتا، اسی طرح اگر کسی معاملہ میں کوئی ذاتی مفاد ہو تو اس کے حصول کی خاطر اجتماعی اصول، اخلاقی تقاضا، اور قومی مصلحت سب کو نظرانداز کردیتا ہے، یہ بات زندگی کے اکثر معاملات میں ہوتی ہے، خواہ وہ عام دنیاوی معاملات ہوں یا اخلاقی دینی اور عام انسانی معاملات ہوں، خواہ اس کی وجہ سے اجتماعیت کا شیرازہ بکھرتا ہو اور دو دوستوں، دو ہم مذہب بھائیوں، دو متفق المقصد ساتھیوں کے درمیان جدائی پیدا ہوتی ہو، چنانچہ مسلمانوں کی اجتماعی وحدتیں قائم ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد انتشار اور شکستگی کا شکار ہونے لگتی ہیں، اور ایک اتحاد کئی اتحادوں میں، ایک ادارہ کئی ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے اور پھر اس کے ٹکڑوں کے ٹکڑے ہونے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ اجتماعی مرض صرف ان کے غیر تعلیم یافتہ طبقوں ہی میں نہیں، بلکہ تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی یکساں طریقے سے پایا جاتا ہے، اور باوجود شعور کی بیداری کے اسمیں کمی نہیں ہورہی ہے، یہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے ایک بڑا خطرہ ہے، جس کو مسلمان من حیث الافراد اور ان کی قیادتوں دونوں کو توجہ دینا چاہئے اور ملت کو اس کے نتائج بد سے بچانا چاہئے۔

خاص طور پر ملت اسلامیہ کی وہ اکائیاں جو سیاسی اور بین الاقوامی لحاظ سے کمزور حالت میں ہیں ان کو تو اس کی طرف بہت توجہ دینا چاہئے۔ ان کی جو صلاحیتیں آج آپس میں دست و گریباں رہنے میں صرف ہورہی ہیں ان صلاحیتوں سے وہ ملت کے افراد اور جماعت دونوں کو غیر معمولی فائدہ پہونچا سکتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جو عموماً افراد کی خودرائی اور ان کی ذاتی مصلحتوں کی طلب کے نتیجہ میں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں، اپنی صلاحیتوں کو ضائع کردیتے ہیں اور ان نقصانات کو قبول کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں جو ملت کو پیچھے کردیتے ہیں اور افراد کی متوقع ترقی کو بھی روک دیتے ہیں۔

(باقی ص ۱۳ پر)

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہوچکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 23/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

متانت و بردباری اور لطف و نرمی

مولانا عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

آیات:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ (اعراف۔ آیت ۱۹۹)	(اے محمدؐ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ۔ (سورۂ نور آیت ۲۲)	ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر کردیں کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ خدا تم کو بخش دے؟
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ (سورۂ حٰم سجدہ۔ آیت ۳۴-۳۵)	اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوسکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے کہ) جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے اور یہ بات انھیں لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ (شوریٰ آیت ۴۳)	اور جو صبر کرے اور قصور معاف کردے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو باتوں میں سے ایک پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ دونوں میں سے جو آسان تھا اسی کو اپنایا اگر وہ گناہ کی بات نہ ہو لیکن اگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے بہت دور رہتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملہ میں اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا الّا یہ کہ حرمت الٰہی کی پامالی ہو اس وقت اللہ کے لئے انتقام لیتے۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو۔ الّا یہ کہ آپ جہاد میں ہوں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہو اور آپ نے اس سے بدلہ لیا ہو سوائے اس کے کہ حدود شریعت کو توڑا جائے تب آپ اللہ کے لئے بدلہ لیتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا آپ موٹے کنارے کی نجرانی چادر زیب تن فرمائے ہوئے تھے، آپ سے ایک اعرابی ملا اور آپ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی، میں نے آپ کے شانۂ مبارک کو دیکھا تو چادر کو زور سے کھینچنے کا نشان پڑا ہوا تھا، اس کے بعد اس دیہاتی نے کہا کہ اے محمدؐ! تمہارے پاس خدا کا جو مال ہے اس میں سے مجھے دلاؤ، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہنسے پھر اس کو کچھ دینے کا حکم فرمایا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اس کی طرف لپکے کہ اس کو زد و کوب کریں، آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو اس کے پیشاب پر ایک گھڑا پانی ڈال دو، یا ایک بڑا گھڑا انڈیل دو، تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کرنے والے۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشج سے فرمایا کہ تمہارے اندر دو عادتیں ہیں ان دونوں عادتوں کو اللہ اور رسول پسند فرماتے ہیں، ایک حلم دوسری متانت۔ (مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جیسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے ہیں، ان کو ان کی قوم نے بہت مارا حتی کہ خون بہنے لگا، وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے میرے اللہ میری قوم کو معاف فرما وہ جانتے نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ مہربان ہیں مہربانی کو پسند فرماتے ہیں، مہربانی کرنے پر وہ دولت دیتے جو سختی کرنے پر نہیں دیتے اور نہ دوسرا طریقہ اختیار کرنے پر دیتے ہیں۔ (مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال لی جاتی ہے اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔ (مسلم)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سہولت و خوش اسلوبی ہر چیز کے لئے ضروری فرمایا ہے، جب تم کسی چیز کو مارو تو اچھی طرح مار دو (ایسا نہ ہو کہ جان باقی رہے اور وہ تڑپے) اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح کرنے والے کو چھری اچھی طرح تیز کرلینی چاہئے اور ذبیحہ کو آرام پہنچانا چاہئے۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں کو پچھاڑ دینے والا طاقتور نہیں، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو نرمی کی دولت نصیب ہوئی اسے خیر کی دولت ملی اور جو نرمی کی دولت سے محروم رہا وہ خیر کی دولت سے محروم رہا۔ (ترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اس شخص کو نہ بتادوں جو جہنم کے لئے حرام ہوگا، یا جس پر جہنم حرام ہوگی ہر رشتہ دار (جو نرم و مہربان ہو)۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "ادفع بالتی ھی احسن" (ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو) کا مطلب بیان فرمایا، غصہ کے وقت صبر و ضبط، تکلیف پہونچنے کے وقت معاف کردینا، جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بچالے گا، اور ان کے دشمن کو ان کے سامنے جھکا دے گا۔ (بخاری مع تعلیق)

شعراء حضرات متوجہ ہوں!

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال پر ملک کے جن شعراء حضرات نے نظمیں لکھی ہوں وہ اس ماہ کے اخیر تک ذیل کے پتے پر ارسال فرما دیں۔ ان نظموں کو کتابی شکل میں جلد ہی پیش کرنے کا ارادہ ہے، نیز مبلغ دس روپے -/10 .Rs اپنی نظموں کے ساتھ زرِ تعاون بھی ارسال فرمائیں تاکہ کتاب بہتر شکل میں جلد سے جلد شائع کی جاسکے۔

مجیب بستوی، انجمن افکارِ ادب، سمریانواں بازار، ضلع بستی (یوپی)

حج کے مقاصد و منافع

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ

حج کا ایک بڑا اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ ملت حنیفی کے امام اور مؤسس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تجدید تعلق کیا جائے، ان کی میراث کی حفاظت کی جائے ان کی زندگی کو اپنے سامنے رکھ کر اس سے اپنی زندگی کا موازنہ کیا جائے، مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے اور ان کی زندگی میں جو غلطیاں فساد اور تحریف نظر آئے اس کو دور کیا جائے اور اس کے اصلی سرچشمہ کی طرف رجوع کیا جائے اس لئے کہ حج ایک قسم کا سالانہ اجتماع ہے جس کے ذریعہ مسلمان اپنے اعمال اور اپنی زندگی کا احتساب و تجزیہ کر سکتے ہیں اور ان قوموں اور سوسائٹیوں کے اثرات سے چھٹکارا پا سکتے ہیں جن کے بیچ میں وہ رہتے ہیں۔[1]

حج ملت کا ایک ایسا سالانہ اجتماع یا دوسرے الفاظ میں پریڈ ہے جس کا ملت اسلامی کی سچائی و پاکیزگی اور اس کی اصلی اور حقیقی بنیادوں کی حفاظت میں بڑا اہم حصہ ہے۔ اس دین کو تحریف، ابہام و التباس سے محفوظ رکھنے، اس امت کو اپنے حقیقی سرچشمہ اور اپنی جڑوں سے وابستہ اور پیوست رکھنے اور ان سازشوں اور مغالطوں کا پردہ چاک کرنے میں (جن کا شکار گذشتہ قومیں رہ چکی ہیں) اس اجتماع سے جو مدد ملتی ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں ملتی۔ اسی عظیم سالانہ اجتماع اور اس کے مخصوص اعمال و مناسک کی بدولت یہ عظیم اور لافانی امت اس ابراہیمی ذوق و مزاج کی اب بھی حامل ہے (جس کو ہم پرسوز و دردمند، مومنانہ و عاشقانہ، مخلص و یکسو اور سادہ و عمیق جیسے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں) اور اس نے اس ورثہ کو اپنی آئندہ نسلوں تک بحفاظت پہونچانے کا کام جاری رکھا ہے، اس لحاظ سے حج ایک ایسے زندہ، طاقتور اور دھڑکتے ہوئے دل کی طرح ہے جو اس امت کی رگوں میں برابر تازہ خون تقسیم کرتا رہتا ہے اس کی وجہ سے یہ امت مجموعی طور پر ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ اپنا جائزہ لینے کے قابل ہے اور اس کے علماء و مصلحین کو اس کا موقعہ حاصل ہے کہ وہ اس کو اہل غلو کی تحریف، اہل باطل کے فریب، جاہلوں کی تاویل اور ہر قسم کے خرافات اور اضافوں سے پاک و صاف کرتے رہیں اور اس کو اس کی اصل ابراہیمی شریعت محمدی اور دین خالص کے معیار پر رکھ کر برابر جانچتے رہیں اسی کے ذریعہ سے یہ امت اپنی دینی، عقلی اور ثقافتی وحدت کی بخوبی حفاظت کر سکتی ہے اور اس علاقائیت اور قومیت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتی ہے جو ابراہیمی وحدت اور اسلامی رنگ و محمدی رنگ و مسلک کی حریف ہے اور جس نے گذشتہ مذاہب اور مذہبی اقوام کو بھی سخت نقصان پہونچایا تھا۔

یہ امت مختلف قسم کے ماحول اور زمین کے مختلف خطوں میں رہتی ہے اور اس کو مختلف ادوار سے گذرنا پڑتا ہے کبھی اس میں زندگی و حرکت کے آثار نظر آتے ہیں، کبھی جمود و غفلت کے، کبھی تشدد اور سختی کے، کشمکش اور مقابلہ کے، کبھی تہذیب و تمدن کے مسائل اس کے سامنے ہوتے ہیں، کبھی مادی و سیاسی ترغیبات اس کو آزمائش میں ڈالتی ہیں، کبھی مادیت اور مال و دولت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی تنگدستی و افلاس کا، کبھی اس پر کوئی جابر بادشاہ ظالم حکمراں یا بے رحم سیاست داں مسلط کر دیا جاتا ہے اور کبھی اس سے مختلف اور برعکس حالات سے واسطہ پڑتا ہے لیکن ان سب حالات میں اس کو اس کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے کہ ایمان کی اس دبی ہوئی چنگاری کو برابر بھڑکایا جائے، جذبۂ عشق و محبت کو ہوا دی جائے اور ملت کے ہر جزو اور ہر وحدت کو وفا و جاں نثاری کا سبق ملے اللہ تعالیٰ نے حج کو ایک موسم بہار بنایا ہے جس میں امت کا یہ سدا بہار درخت خوب پھل پھول لاتا ہے اور مسلمانوں کا یہ عالمی خاندان اپنے پرانے لباس کو اتار کر ایک نیا اور خوشنما لباس زیب تن کرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے جو مقاصد اسلام اور اسرار شریعت پر بڑی گہری نظر اور بصیرت رکھتے ہیں اس پہلو کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے۔ وہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:-

"جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے کون باغی کون فرض شناس ہے کون کام چور نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا ہو اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں، اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے تاکہ منافق و غیر منافق میں تمیز ہو سکے، اللہ تعالیٰ کے دین میں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں جوق در جوق جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے دوسرے سے استفادہ کرے اس لئے کہ بہترین و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت اور رفاقت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل ہوتی ہیں"[2]

اس کے علاوہ حج ان وطنی، نسلی، لسانی، اور علاقائی قومیتوں کے خلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے جن کے بہت سے اسلامی ممالک (مختلف عوامل اور دباؤ کے تحت) شکار ہیں، وہ اسلامی قومیت کا مظہر اور اعلان ہے، یہاں پہونچکر تمام اسلامی قومیں اپنے ان قومی و ملکی لباسوں سے آزاد ہو کر جو ان کی پہچان بن گئے تھے اور جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہیں اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کر لیتی ہیں جس کو دین و فقہ اور حج و عمرہ کی اصطلاح میں "احرام" کہا جاتا ہے۔ سب عاجزی و انکساری، احتیاج و لاچاری اور گریہ و زاری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ،
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ"

(اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت و بادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں)۔

ان میں حاکم و محکوم آقا و نوکر، امیر و فقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے یہی حال حج کے دوسرے اعمال، عبادات، مناسک اور شعائر و مقامات کا ہے جہاں ہر قوم و ملک کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ اور قریب و بعید، عرب و عجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں، صفا و مروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان سب ساتھ دوڑتے ہیں، منیٰ ساتھ سفر کرتے ہیں، عرفات ساتھ جاتے ہیں اور جبل رحمت پر ایک ساتھ حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں اور سب ایک ہی جگہ رات گذارتے ہیں۔ پھر وہاں سے سب ایک ساتھ واپس آتے ہیں، ایک ساتھ متحرک ہوتے ہیں اور ایک ساتھ ساکن ہوتے ہیں، منیٰ بھی ایک ساتھ قیام کرتے ہیں اور نحر (قربانی)، حلق (سر منڈانا) اور رمی (شیطان کو پتھر مارنا) کے سارے کام ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔[3]

حج میں اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد و منافع ہیں جن میں بہت سی باتوں سے ہم واقف ہیں اور بہت سی باتوں سے ناواقف اور شاید جن چیزوں کا ہمیں علم نہیں ہے وہ ان چیزوں سے کہیں زیادہ ہیں جن کو ہم جانتے اور سمجھتے ہیں اور جن کی طرف حکماء اسلام اور علماء راسخین نے اپنی کتابوں میں توجہ دلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ"

(تاکہ وہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں)

اس موقع پر منافع کو مطلق بولا گیا ہے اور اس کے لئے نکرہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس بلیغ تعبیر سے منافع کی کثرت اور تنوع اور ہر دور میں اس کی بدلتی ہوئی قسموں، راستوں، طریقوں اور پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جن کا شمار ناممکن ہے۔[4]

[1] ارکان اربعہ ص ۲۲۶۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۵۹-۶۰۔ [3] ارکان اربعہ ص ۲۲۷-۲۸-۲۹۔ [4] یہ مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشہور کتاب "ارکان اربعہ" کے باب حج سے ماخوذ ہے۔

ایک زائر حرم کے نام

(مولانا محمد ثانی حسنی، مدیر "رضوان" لکھنؤ)

میرے عزیز بھائی تم کو سلام پہنچے — بعد از سلام میرا تم کو پیام پہنچے
تم کو بہت مبارک ہو کعبہ کی زیارت — قابل ہے رشک کے جو تم کو ملی سعادت
جتنا بھی فخر تم کو محسوس ہو وہ کم ہے — بس میں نہیں کسی کے اللہ کا کرم ہے
اس وقت تم جہاں ہو وہ ہے مقام رحمت — مینھ کی طرح برستی ہے صبح و شام رحمت
مجھ کو بھی ساتھ رکھنا شام و سحر دعا میں — کعبہ کے پاک در پر عرفات میں، منا میں
کوہ صفا پہ چڑھ کر کعبہ ہو جب کہ رخ پر — مروہ کی سیڑھیوں پر مسعیٰ میں رہ گزر پر
منبر کے سائے میں بھی اندر حطیم کے بھی — رکن یمانی چھو کر در پر کریم کے بھی
دیوار سے لگا کر سینے کو ملتزم پر — چل کر مطاف میں پھر رک کر ہر اک قدم پر
پردہ سے تم لپٹ کر آنسو بہا کے کہنا — کعبہ کے پاک در پر سر کو جھکا کے کہنا
بیت عتیق کے رب اپنے کرم کا صدقہ — اور رحمت و محبت بے کیف و کم کا صدقہ
تو نے مجھے بلایا تیرا بہت کرم ہے! — اک اور مضطرب ہے جو مبتلائے غم ہے
بے تاب ہو رہا ہے اس کو بھی تو بلا لے — دنیا سے دل ہٹا کر اپنا ہی تو بنا لے
دن رات جا کے زمزم تم بار بار پینا — میری طرف سے بھی تم دو چار بار پینا
للہ میری جانب سے بھی طواف کرنا — آنسو جو چند نکلیں، نذر غلاف کرنا
ہوگا نویں کو عرفہ رحمت کا روز ہوگا — قلب و زباں میں پیدا جب درد و سوز ہوگا
مشغول ہو دعا میں عرفات کی زمیں پر — ذروں کو خاک کے تم ملتے ہوئے جبیں پر
تم بے قرار ہو کر سجدہ میں جب پڑے ہو — پہلو بدل رہے ہو مبہوت سے کھڑے ہو
اشکوں سے بھیگ جائیں جب حاجیوں کے دامن — ایسی جھڑی لگی ہو بھادوں ہو یا کہ ساون
چیخوں سے اپنی حاجی تھرا دیں جب فضا کو — جب رحم آئے سب پر بے ساختہ خدا کو
ہوگا وہ ایسا عالم ہر سمت نور ہوگا — قلب و نظر پہ طاری کیف و سرور ہوگا
تم ایسے پیارے عالم میں مجھ کو یاد رکھنا — ذکر و دعا سے للہ مجھ کو بھی شاد رکھنا
اللہ تم کو ہر دم اپنی اماں میں رکھے — اپنا بنا کے تم کو دونوں جہاں میں رکھے

حج کا سفر تمہارا صد بار ہو مبارک
جانا بھی ہو مبارک، آنا بھی ہو مبارک

مولانا محمد اشرف خانصاحب

حُبِّ الٰہی و خشیتِ ربانی

از افادات مولانا سید سلیمان ندوی رح

سلوک عشق و محبت کا راستہ ہے، اس کی منزل محبت کی شعلہ سامانیوں سے ہی طے ہوتی ہے، محبت کا جو بیج یوم الست میں بویا تھا، سلوک کے مجاہدات سے اسکی آبیاری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت ہی وہ سرمایہ ہے جو سالک کے مردہ قلب میں جان ڈالتا ہے، آتش محبت ماسوا کے تصورات کو مٹا کر جلوۂ جانانہ سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور داغ محبت وہ چراغ طور ہے جس کی تجلیاں عارف کے دل کو تاباں اور درخشاں رکھتی ہیں۔ اگر محبت نہ ہو تو دل اور پتھر میں کوئی فرق نہیں، اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ محبت و خشیت الٰہی کی بڑی تلقین فرماتے تھے، ایک خط میں مولانا مسعود عالم ندوی کو لکھتے ہیں:۔

آپ کے دوسرے خط نے مجھے بہت بامید بنا دیا ہے۔ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ وہابیوں کی خشکی آپ پر ایسی غالب آگئی ہے کہ عشق و محبت کی گنجائش آپ کے دل میں نہیں رہی ہے۔ الحمدللہ کہ میری یہ غلطی آپ کی نسبت آج جاتی رہی میرا ایک پرانا شعر ہے ؎

اظہار کرکے عشق و محبت کے راز کو
پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج

(مکاتیب ص ۱۴۸)

پھر ارشاد فرمایا، محبت نہ ہونے کی حسرت بھی بڑی نعمت ہے۔

محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے اس کی جو حسرت ملے
بہا زندگی جاودانی بنے
جو آب حیات محبت ملے
ترے عشق کے غم کی دولت ملے
تو سارے غموں سے فراغت ملے

اس کے بعد فرمایا:۔

اس کی خواہش ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے۔ محبت خاصان خدا کے قلوب کا خاص نور ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جس طرح آتشی شیشے کی سوزش سے کاغذ جل اٹھتا ہے یا چقماق کی رگڑ سے آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ ان ربانی آئینوں (اہل دل کے قلوب) کے مقابل جو دل بھی شوق و طلب لے کر آتے ہیں وہ محبت کے نور سے جگمگا اٹھتے ہیں، اہل اللہ کے قلوب بھی خدا جانے کیسی کیسی قوت رکھتے ہیں جن کی ایک نظر زندگی کو پلٹ دیتی ہے ؎

ایک نظر میں کچھ سے کچھ ہے میری دنیائے حواس
ہوش جو تھا، بیہشی ہے، بیہشی اب ہوش ہے

ایک مرتبہ تسبیحات فاطمہ رض کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "سبحان اللہ کا مطلب ہے کہ وہ تمام کیموں سے بری اور پاک ہے" الحمدللہ کا مطلب ہے کہ تمام مجموعہ بتین اور خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جب یہ کہا جاتا ہے تو محبت سے جی چاہتا ہے کہ چمٹ جائے لیکن آگے، اللہ اکبر کہہ کر یہ بتایا گیا کہ وہ اتنی بڑی ذات ہے کہ وہاں یہ بات ممکن نہیں،

پاؤں تو حد ادب سے عشق میں باہر نہ رکھ
وہ ہمہ خوبی و محبوبی سراپا ناز ہے

اگرچہ اللہ سبحانہٗ کی ذات باکمال اپنی دل ستانیوں کی بنا پر سالک کے لئے سراپا جمال و محبت ہے مگر جلال الٰہی کا تصور عشق ان حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا، جو فانی اور مجازی محبتوں کا خاصہ ہے، بلکہ محبت الٰہی و تقویٰ کے ساتھ مقرون ہوتی ہے کہ سب سے بڑے عاشق ربانی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اما واللہ انی لاتقاکم و اخشاکم لہٗ۔

(خدا کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کا لحاظ کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں)۔

اس لئے معرفت الٰہی حضرت حق کی بارگاہ اقدس میں جرأت و دلیری نہیں سکھاتی بلکہ خشیت و عبدیت کی تعلیم دیتی ہے۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے تھے۔ محبت و خشیت کی دوگونہ کیفیت (کا مقصد ہونا) اس آیت سے بھی مفہوم ہے۔" قابل التوب شدید العقاب" اللہ تعالیٰ سے رجا عمل کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔ بغیر عمل رجا نفس کا فریب شیطان کا دھوکا اور کید ہے۔ عمل کرتے ہوئے لرزاں اور ترساں رہے کہ نا معلوم قبول ہو یا نہ قبول ہو۔ والدین کی نافرمانی کرتے ہوئے ان کی مہربانی اور محبت کی امید رکھنا حماقت ہے۔ کیوں کہ مطلوب عقلی و شرعی محبت ہے جس کا خاصہ پابندی احکام ہے۔ اور اس کی ترقی بھی اعمال صالحہ اور اوامر الٰہیہ کے ظاہری و باطنی امتثال پر منحصر ہے۔ طبعی محبت گو ایک نعمت ضرور ہے لیکن اس کی بقا اور مقبولیت کا انحصار بھی کتاب و سنت کے اتباع و فرمانبرداری پر ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

اسی طرح محبت کا استغراق بھی مقصود نہیں۔ بلکہ غلبہ محبت کے باوجود ہوش و حواس کی بقا اور احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری مطلوب ہے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"باقی جو آپ کی تمنا ہے کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشق رسول ملے اور اس میں استغراق ہو جائے تو جہاں تک تمنا کا تعلق ہے، مناسب ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں صحیح نہیں، ہر مومن کو اس کا مرتبہ کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ اور آپ کی یہ صورت تمنا اس کی دلیل ہے البتہ اس میں ترقی اعمال خیر میں ترقی ہی سے ممکن ہے۔ جس قدر اعمال میں ترقی ہوگی اسی قدر اس مرتبہ میں ترقی ہوگی، انشاء اللہ۔ باقی استغراق اور انہماک کی طلب تو یہ ناسمجھی سے ہے۔ استغراق و انہماک کمال نہیں۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ رض اس سے پاک تھے۔

آپ غور کریں کہ کسی محبوب کے احکام کی تعمیل میں دیوانہ پن اور بے خبری دلیل کمال ہے یا ہوشیاری اور بیداری کمال کی دلیل ہے۔ سنا ہے کہ انگریز سپاہی شراب میں مست ہو کر لڑتا ہے اور پٹھان پوری ہوشیاری اور بیداری سے بتائیے ان دونوں میں شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کس میں ہے؟

اسی خط میں اسی طالب کو اس شکایت کے جواب میں کہ طبعی کمزوری کی بنا پر بعض اوقات دوسروں کے اصرار کی وجہ سے لغزش ہو جاتی ہے۔ ارقام فرمایا کسی شخص کے کہنے یا اصرار سے کام کرنا اگر مباح ہو یعنی شرع سے اس کی اجازت ہو تو خیر، کسی مسلمان کی خوشی کے ثواب کی نیت سے کر سکتے ہیں، لیکن اگر وہ امر غیر مباح اور ناجائز ہے تو کسی حال میں اس کا کرنا جائز نہیں:" لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"۔ دوسرے جس شخص کے اصرار سے آپ کرتے ہیں اس کی رضا آپ کو مقصود ہوتی ہے تو آیا رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہئے یا کسی غیر کی رضا۔ پھر دعوائے عشق یا تمنائے عشق کے کیا معنی؟

ایک خط میں انہی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ سے استفادہ کے متعلق تحریر فرمایا:۔

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات ہر وقت جاری ہیں اپنے میں استفادہ کا مادہ ہونا چاہئے۔ اور اس کی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عقلی ہے، جس کا مظہر اتباع احکام سنت ہے)۔

گویا محبت الٰہی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بقا اور امر الٰہی کے ظاہری و باطنی اتباع کا صلہ اور نتیجہ ہے اس لئے عشق الٰہی جو تصوف کی روح ہے بغیر احکام شرعیہ کی کامل پابندی کے حاصل نہیں ہوتا۔ جس کے دل میں چراغ طور سے روشن ہو جاتا ہے اس کا دل سرمدی کیف و یقین کی دولت سے مالامال ہو جاتا ہے۔ شکوک و شبہات کے اوہام، بےیقینی اور تذبذب، نور ایمان کی روشنی سے کافور ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود بھی بڑا رؤف و رحیم ہے اس کے در پر جو بھی درد دل کی سوغات لیکر حاضر ہوتا ہے نامراد نہیں لوٹتا۔ اسکا دریائے فیض تو ہر وقت جاری ہے۔ نگاہ لطف تو بہانہ تلاش کرتی ہے ؎

وہ چشم محبت تو جویائے محبت ہے
دیکھے تو ذرا کرکے اس سے یارانہ

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک شکستہ دل

طالب کو تحریر فرماتے ہیں،

"مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، اللہ تعالیٰ سراسر امید ہے وہ رؤف و رحیم ہے"۔ ایک طالب کو جس نے اپنے حالات میں کوتاہی اور کمی کا تذکرہ کیا تھا تحریر فرماتے ہیں،

"آپ نے اپنے موجودہ حالات جو لکھے ہیں وہ بےشبہ گزشتہ سے فروتر ہے، مگر کوئی مایوسی کی بات نہیں، بحمداللہ جبتک قلب میں اپنی کمی اور پستی کا احساس اور بہتر حالت و کیفیت کی طلب کا جذبہ ہے روح کی زندگی کی نشانی باقی ہے اور جب تک یہ کیفیت باقی ہے علاج بہت آسان، اور امید افزا ہے۔

باز آ، باز آ، ہر آں چہ ہستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی اپنا بندہ کہتا ہے اور ان کو مایوسی سے روکتا ہے یاعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ۔

(اے میرے وہ گنہگار بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو)۔

اللہ اکبر! یہ کیسی نوید جانفزا ہے بس اتنی دیر ہے کہ بندہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ پڑھ کر پھر اپنا کام شروع کردے، پھر وہی بخششیں ہوں گی اور وہی نوازشیں ہوں گی غور کیجئے اگر بادشاہ سے ملاقات نہ ہو تو ایک درجہ کی محرومی ہے بلکہ اس بادشاہ کی ناراضی اور اس دوست کے ملال کا باعث ہے۔

اس طویل اقتباس سے معلوم ہوا کہ محبوب ازلی خود سراپا رافت و رحمت اور جویائے محبت ہے، اگر انسان کی طرف سے معمولی کوشش بھی ہو تو توفیق خداوندی دستگیری فرماکر عطا سے مالامال کر دیتی ہے۔

ان کے کرم کے ہم نثاران کی عطا کا کیا شمار
دیدیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

وصول تو ہر ایک کا جذب ہی سے ہوتا ہے یہ الگ بات ہے کہ کوئی راہ سلوک کو پہلے طے کرتا ہے، کوئی بعد میں،

انہیں کے دینے سے ملتا ہے جسکو ملتا ہے

حضرت سیدی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے۔

بندہ اگر کوشش کرے تو وہ ہدایت کے لئے اسے قبول فرما لیتے ہیں، جیسے بچہ اگر قدم اٹھائے اور دو چار قدم چل کر گر جائے تو ماں باپ پیار سے خود اٹھا لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ میاں بھی گود پھیلائے ہوئے ہیں کہ میرا کون سا بندہ میری طرف آتا ہے کہ اسے میں اپنی رحمت سے قبول کر لوں ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں، کام میں لگے رہیں منزل مقصود تک تو رسائی انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ہو ہی جائے گی ؎

آہی جائیگا کبھی اس تک بھی ساقی دور جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تری محفل میں ہے

اجتبا کا راستہ ان کی خصوصی رحمت و عنایت کا راستہ ہے۔ انابت کا راستہ عام سنت الٰہی ہے۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ عام راستے یعنی انابت والے راستہ کو اختیار کرے تو انشاء اللہ ہدایت نصیب ایک دن ہو جائے گی اپنا کام کوشش و سعی ہے۔ نوازنا تو ان کا کام ہے اس سلسلے میں حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ یہ چیز خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ ہم طلب و کوشش کے مکلف ہیں وصول کے نہیں اس لئے سالک کے لئے ہمت کرکے کوشش کر لینا ہی کافی ہے اس راستہ میں ہر قدم راہ بھی ہے اور منزل بھی، ذریعہ بھی اور مقصد بھی، یعنی اپنی ہمت و کوشش سے رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہے اور اس راستے میں جتنی گھاٹیاں آئینگی وہ وصول کا ہی حکم رکھیں گی، کیونکہ سالک کا کام صرف محنت و جستجو ہے، حضرت والا فرماتے ہیں

جو دو چار دو سرمیں ہے ذوق شوق و لطف دید میں
حاصل ہر سعی میری سعی لاحاصل میں ہے
منزل مقصود ہے راہ طلب کا ہر قدم
وہ سر منزل ہے جو ابتک رہ منزل میں ہے
ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست
فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

بعض سالکین وصول کی فکر میں ذریعہ وصول سے ہی غافل ہو جاتے ہیں حالاں کہ وصول اختیاری نہیں اور انسان غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں اس لئے کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کامل رکھنا چاہئے، وہ کسی طلب اور محبت کو ضائع نہیں کرتی، اور نجات کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتی ہے،

ایک طالب نے لکھا ان کی رحمت ہی کا محتاج ہوں، انہیں سے امید ہے کہ اس نااہل سے کرم والا معاملہ فرمائیں گے، اس کے جواب میں سیدی حضرت شیخ قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن ظن ہی رکھنا چاہئے۔ انا عند ظن عبدی بی کا منشا یہی ہے۔ بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی مقصد یہ تھا کہ حب الٰہی اور خشیت الٰہی کے جذبات کے ساتھ انسان ایمان کی زیادتی اور اعمال صالحہ کی بجاآوری میں لگا رہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک رسائی ہو ہی جائے گی مگر راستے میں منزل تک پہونچنے کی بےتابی نہیں چاہئے اور نہ وصول کو مقصد سمجھنا چاہئے، ذرائع وصول یعنی ایمان باللہ اور اعمال صالحہ کی بجاآوری میں لگا رہے وہ خود ہی کبھی نہ کبھی شرف قبول سے نوازیں گے۔

ومخلصین تو اس کی رضا و طلب میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے ہی کو وصول و فوز کہتے تھے ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

بقیہ ص ۱۱

رزقًا (ای راتبًا)، فما اخذ بعد ذالک فہو غلول۔

(ہم نے جس کو کسی کام پر متعین کیا اور اس کی تنخواہ مقرر کر دی تو اب اس کے بعد وہ جو کچھ لے گا وہ خیانت ہے)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی ہے:۔

"سماعون للکذب اکالون للسحت"

(وہ جھوٹی باتوں کو خوب سنتے ہیں اور حرام کی ان کو لت پڑی ہوئی ہے)۔

(دوستو!) حرام کی بدترین شکل رشوت ہے، اے مسلمان! تو ہر اس چیز سے اپنا دامن بچا جو تیرے شرف و کرامت کو داغدار کرے، یا تیری بزرگی و امانت داری میں خلل ڈالے۔ اگر خدا تمہیں حاکم بنائے یا کوئی اونچا مقام و منصب عطا کرے تو تو اس سے وہی کام جو تجھ کو تیرے خدا اور احباب و برادری کے روبرو سرخرو کرے اور ہمیشہ کے لئے تمہارا اچھا ذکر اور بہترین شہرت چھوڑے، تم ظلم و زیادتی سے بہت دور رہو، حرام خوری و رشوت ستانی سے کوسوں دور بھاگو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"یاایہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ہو الغنی الحمید ان یشأ یذہبکم ویأت بخلق جدید وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

(سورہ فاطر ۱۵۔۱۶۔۱۷)

(لوگو! تم (سب) خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پروا، سزاوار حمد و ثنا ہے اگر چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوق آباد کرے اور یہ خدا کو کچھ مشکل نہیں)۔

(ماخوذ از پیغام منبر و محراب)

دعائے مغفرت

حاجی غلام اشرف مرحوم۔ مالک گلمرگ ہوٹل اررمضان کو اچانک عرش تیب میں راہی جنت ہو گئے۔ عمر ۷۰ سال سے کچھ زائد ہی ہوگی۔ سحری کھانے کے لئے اٹھے، وقت کم رہ گیا تھا اہلیہ سے کہا کہ جلد چائے لاؤ قبل اس کے کہ چائے آتی پیام اجل آگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے دیندار اور مخیر تھے۔ نہ معلوم کتنے افراد اور دینی اداروں کی امداد زیادہ تر بلا اظہار نام کے بکشادہ پیشانی کرتے رہتے تھے۔ طبعاً بہت نیک اور ملنسار تھے۔ نماز جنازہ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے بریلی سے آکر پڑھائی اور چک منڈی لکھنؤ کے مختصر قبرستان میں دفن کئے گئے۔

مرحوم کو اسلامی اداروں اور تحریکوں سے بڑی دلچسپی تھی اور دل کھول کر تعاون کرتے تھے خاص طور سے ندوۃ العلماء کے کاموں سے بڑی دلچسپی تھی۔

قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مولانا سید محمد رابع ندوی

کو

صدر جمہوریہ ایوارڈ

مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی اڈیٹر البعث الاسلامی

۱۶ر اگست کی صبح کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ ادبیات کے صدر جناب مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کے نام مرکزی وزیر تعلیم کے تار سے یہ بات معلوم ہوئی کہ صدر جمہوریہ ہند نے عربی علوم وادب میں مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی کو ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے سند اعزاز دینے کا اعلان کیا ہے پھر دوسرے دن ۱۷ر اگست کے اخبارات میں بھی یہ خبر شائع ہوئی اور اس اعلان کی مزید توثیق ہوگئی، یہ اعزاز ہر سال ۱۵ر اگست کے موقع پر ملک کے ممتاز اہل علم وفن کو صدر جمہوریہ کی طرف سے پیش کئے جانے کی ایک روایت ہے، پچھلے دنوں بہت سے اہل علم یہ اعزاز حاصل کر چکے ہیں، ندوۃ العلماء کے حلقہ میں دار المصنفین کے سابق ناظم جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم کو یہ اعزاز مل چکا ہے، گذشتہ سال وہاں کے موجودہ ناظم جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب کو بھی صدر جمہوریہ کا یہ ایوارڈ مل کر طبقۂ علماء وادباء سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کو جب صدر جمہوریہ کا یہ ایوارڈ پیش کیا گیا تھا تو حضرت مولانا نے بصد شکریہ اس کے قبول کرنے سے معذرت کر دی تھی۔

مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی کو عربی علوم وادب میں ان کے کارہائے نمایاں اور بلند مقام کی وجہ سے جو اعزاز ملا ہے وہ دراصل ندوۃ العلماء کی عربی علوم وادب میں ممتاز خدمات کا ایک کھلا ہوا اعتراف ہے اور اس اعزاز سے تمام فرزندانِ ندوہ کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے، اس اعزاز کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کا علم صاحب اعزاز اور اہل ندوہ کو اچانک ہوا، پہلے سے اس سلسلہ میں نہ کسی کوشش اور سلسلہ جنبانی کا دخل ہے اور نہ کسی سفارش اور تعلقات کے استعمال کا اثر ہے، بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جب ٹیلیفون کے ذریعہ سفارش کرنے والی کمیٹی نے مولانا کی مرضی معلوم کرنے کی کوشش کی تو کسی اور صاحب نے فون پر بات کی پھر مولانا سید محمد رابع صاحب کو اس کی اطلاع کی گئی، اس وقت مولانا کو سخت تردد ہوا کہ وہ کیا جواب دیں، اور اس میں اتنی دیر لگی کہ فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا مولانا نے سمجھا کہ بات ختم ہوگئی اور ان کا نام جو زیر تجویز تھا اب فہرست سے نکال دیا گیا، وہ یہ سوچ کر بہت مطمئن اور خوش تھے، مگر دوسرے ہی دن وزیر تعلیم کے تار اور اخبارات سے یہ تصدیق ہوگئی کہ وہ اعزاز اس کے باوجود مولانا ہی کو ملا، اسی طرح اس اعزاز کے بارے میں یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ اس میں صرف "آمد" کا دخل ہے آورد کا اس سے دور کا تعلق بھی نہیں، جیسا کہ مولانا ابو العرفان خاں صاحب ندوی مدظلہ، (صدر شعبۂ اسلامیات دار العلوم ندوۃ العلماء) نے اس موقع پر اساتذۂ دار العلوم کی طرف سے منعقد ہونے والے جلسۂ استقبالیہ میں فرمایا تھا۔

ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے اس جلسہ میں اپنے گرانقدر تاثرات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے اپنے کسی عزیز قریب کو یہ اعزاز ملنے سے اتنی خوشی نہیں ہے جتنی اس بات سے کہ عربی ادب و زبان کے میدان میں ندوۃ العلماء کی نمایاں خدمات کا اس سے اعتراف ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ ایک خالص علمی اعزاز ہے جس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

صدر جمہوریۂ ہند کا یہ اعزاز اپنی قیمت واہمیت کے اعتبار سے بہت بڑا ہے لیکن اعزاز پانے والے کو اگر اس کی وجہ سے اپنی غیر معمولی برتری کا احساس پیدا ہونے لگے تو یہ اس کی بڑائی کی دلیل نہیں ہو سکتی، اس موقع پر ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں ہے کہ مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی اپنے علمی وادبی مقام کے لحاظ سے کسی اعزاز کے محتاج نہ تھے اور نہ اسکی وجہ سے ان کی شخصیت کچھ اور بلند ہوگئی، بلکہ خوشی اس بات کی زیادہ ہے کہ اعزاز دینے والوں کو اس کی صحیح جگہ کا انتخاب کرنے میں ناکامی نہیں ہوئی اور انھوں نے اپنے حسن انتخاب سے اس اعزاز کی قیمت اور زیادہ بڑھا دی۔

اس سلسلہ میں ایک اور خاص پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ دار العلوم میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہو جس نے اس اعزاز کو اپنے لئے اور اپنے ادارہ کے لئے فال نیک نہ تصور کیا ہو، تقریباً سبھی اساتذہ ایک مشترک احساس کے ماتحت یہ سمجھتے ہیں کہ گویا یہ اعزاز انھیں کو ملا ہے، اظہار مسرت کرتے اور مبارکباد دیتے وقت یہ احساس بہت عام اور نمایاں معلوم ہوتا ہے۔

مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دار العلوم کے کلیۃ اللغۃ کے صدر ہیں اور تعلیمی امور اور ترتیب نصاب جیسے اہم موضوع کے سلسلہ میں ان کے تجربات بہت وسیع اور وقیع ہیں، گزشتہ دنوں انھیں کی تجویز اور کوششوں سے ندوۃ العلماء میں اسلامی ادبیات کے موضوع پر ایک عالمی سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس میں عالم اسلام کے منتخب نمائندے شریک ہوئے تھے اور ایک با مقصد وقابل عمل نتیجہ کے ساتھ اس کا اختتام ہوا تھا، اس سمینار میں شریک باہر کے نمائندوں کی تجویز کی بنیاد پر اس کا مستقل سکریٹریٹ دار العلوم ندوۃ العلماء میں قائم ہو گیا ہے اور اس کے سکریٹری جنرل مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ہیں۔

وہ دار المصنفین اعظم گڑھ کی مجلس انتظامیہ کے بھی رکن ہیں، اور ادب وتاریخ کے موضوع پر نصف درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں اکثر کتابیں عربی زبان میں ہیں، منثورات من ادب العرب، الأدب العربی بین عرض و نقد، معلم الانشاء، جغرافیہ جزیرۃ العرب، حج و مقامات حج، بین التصوف والحیاۃ (ترجمہ عربی کتاب مولانا عبد الباری صاحب ندوی مرحوم حیاۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ الحاج محمد علی سالمین صاحب کی سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر انگریزی کتاب کا عربی ترجمہ ہے، اسی طرح مولانا نے ۱۹۵۹ء میں "الرائد" کے نام سے ایک عربی جریدہ کی تاسیس کی (اس کام میں بالکل ابتداء سے راقم الحروف بھی پوری طرح شریک رہا) جو اس وقت سے اب تک ہر اعتبار سے پوری کامیابی کیساتھ برابر نکل رہا ہے، اور اب اسکے رئیس التحریر مولانا سید محمد واضح صاحب ندوی ہیں، مولانا اس کی مجلس ادارت کے صدر ہیں۔

اس موقع پر اپنے تاثرات کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ چند سطریں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

نگرانِ اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت
نذر الحفیظ ندوی
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر وترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

مدارس عربیہ کے نصاب پر

نظر ثانی کی ضرورت

ماہنامہ الحق۔ اکوڑہ خٹک پاکستان کے مدیر مولانا سمیع الحق صاحب ان مخلص لوگوں میں ہیں جو ملت کا درد رکھتے ہیں اور علوم اسلامیہ کی اشاعت و ترویج کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں ان کے اس اخلاص اور فکرمندی کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ وہ نصاب کے سلسلہ میں از سر نو غور کریں، اور یہ خیال ظاہر کیا کہ مولانا سید ابو الحسن علی میاں مدظلہ، کی تیار کردہ کتابیں اس سلسلہ میں بڑی مفید ومعاون ہیں، مولانا نے اپنے ان خیالات کا اظہار کر کے اخلاص وللہیت اور وسیع القلبی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے۔ مولانا کے خیالات ہدیۂ ناظرین ہیں ——— (ادارہ)

مدارس عربیہ کے تعلیمی سال کا آغاز شوال سے ہوتا ہے، نصاب مدارس کے سلسلہ میں ایک جزوی تجویز پر مشتمل یہ مکتوب پچھلے دنوں مدارس عربیہ کے بعض احباب کو لکھا گیا تھا۔ کیا عجب الحق کے ذریعہ بھی یہ آواز کسی صاحب درد پر اثر انداز ہو سکے۔ مکتوب کے مخاطب مدارس عربیہ کے نظم وتعلیم سے وابستہ حضرات ہیں:-

"ہمارے اکابر علم وفضل ہمیشہ سے نصاب تعلیم میں بہتر سے بہتر جامع اور مفید کتابوں سے استفادہ کی ضرورت محسوس کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ ضرورت خاص طور سے ابتدائی درجات میں طلبہ کو ادب عربی، انشاء گرامر، تاریخ کے سلسلہ میں بے حد محسوس کی جاتی ہے۔ بالخصوص عربی تحریر و ترجمہ اور عربی تکلم کے سلسلہ میں مروجہ کتب ادب اتنے بہتر نتائج کا ذریعہ نہیں بن رہیں۔ ان کتابوں کے ساتھ یا ان کے تبادل اگر ایسی کتابیں مروج ہوں جو ابتدا سے بچوں میں تدریج عربیت سے مناسبت بھی پیدا کریں اور اس کے ساتھ ہی اسلامی تہذیب ثقافت دینی رجال وتاریخ سے بھی متعارف کرائیں اور جو ادب اور دین کا دلآویز امتزاج ہوں اور اخلاقی تطہیر کے ساتھ تربیت اسلامی اور ذہن سازی کا کام بھی کر سکیں اور جو بچپن سے قرآن کریم، سنت نبوی، سیرت انبیاء سے بھی مناسبت کا ذریعہ بن سکیں، تو اس کے عظیم الشان نتائج ظاہر ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔ الحمد للہ کہ ہمارے پاس اس سلسلہ میں عالم اسلام کی معروف وبرگزیدہ شخصیت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، جیسے جید عالم صاحب طرز مسلم ادیب ومورخ اور دعوت وارشاد کے داعی کبیر کی نصابی تصانیف موجود ہیں جو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم عرب کے کئی مدارس اور جامعات کے نصاب میں شامل ہیں جس کے بہتر علمی، دینی، ادبی، ثمرات کی ایک دنیا قائل ہو چکی ہے۔ ان جامع اور موثر کتابوں کا پاکستان میں مہیا ہونا تقریباً ناممکن تھا۔ مگر ہمارے ایک فاضل دوست مولانا فضل ربی ندوی نے اپنے ادارہ مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی کے ذریعہ ان نصابی کتابوں (قصص النبیین، القراءۃ الراشدہ مکمل، مختارات من ادب العرب، معلم الانشاء وغیرہ) کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ طلبہ کے ادبی، علمی وفکری تقاضوں کے پیش نظر میری قلبی خواہش اور التجا ہے کہ اللہ کا نام لے کر انہیں تعلیمی سال کے آغاز سے حسب درجات شامل نصاب کر لیجئے۔ اساتذہ کو بھی پڑھانے میں دقت نہیں ہوگی کہ تعلیم اور مشق وتمرین کے رہنما اصول بھی ان کتابوں میں موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ مولانا فضل ربی ندوی سے رابطہ قائم کر لیجئے۔

ادب اور ادباء

ایک ادیب کی نظر میں

از: مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ

لکھنؤ کے ایک استاذ کا شعر ہے

شفق گوں ہے ہوائے بام قاتل
کبوتر پر کبوتر گر رہا ہے

مطلب مثلاً آپ کے ذہن میں آگیا؟ نہ آیا ہوگا۔ کم از کم میرے ذہن میں فوراً نہیں آیا تھا ——— استاد فرماتے ہیں بالاخانہ اور بہت ہی بلند بالاخانہ پر جو محبوب صاحب رونق افروز ہیں وہ اس درجہ کے سفاک اور اس مرتبہ کے جلاد ہیں کہ تاریخ کی دنیا میں تو ان کی کوئی نظیر ملتی نہیں۔ عاشقوں کو ذبح کرتے کرتے انھوں نے ڈھیر لگا دیئے کہ آسمان کا افق تک اس دریائے خون کے عکس سے سرخ ہو گیا ہے! یہاں تک کہ دیکھنے والوں کو دن دہاڑے شفق کا گمان ہو رہا ہے اور انسان تو انسان، شام کو بسیرا لینے والے پرندے تک اس دھوکے میں آگئے ہیں، چنانچہ کبوتر کہاں تو اپنی اڑان میں تھے اور کہاں یہ سماں دیکھ کر جھنڈ کے جھنڈ بسیرا لینے کو اترنے لگے! ——— فرمائیے ایسا رشک نمرود وچنگیز محبوب آپ نے کبھی واقعات کی دنیا میں دیکھا ہے؟ ایسا ہونا ممکن بھی ہے؟ مبالغہ شعر وغزل میں سہی ہر حال وہ بھی تو کوئی حد رکھتا ہے!

یہ ایک شعر محض مثال اور نمونہ کے طور پر عرض کیا گیا جس شاعری اور جس ادب کے بڑے ضخیم دفتر پر آپ کو ناز ہے اس کے بیشتر حصہ میں بجز اس قسم کی بے مزہ اور بے مغز مبالغہ آرائی اور کیا رکھا ہے؟ اس کے بڑے بڑے قابل فخر دیوان اور مایہ ناز کلیات چند مشتنیٰ مثالوں کو چھوڑ کر، آخر اپنے اندر کون سا درس رکھتے ہیں؟ دینی، اخلاقی، عقلی کبھی کسی فطری جذبہ کو بھی تسکین دیتے ہیں؟ وہی گل وبلبل، وہی ایک فرضی معشوق اور اسکے بے انتہا فرضی عاشق، وہی قاتل، وہی بسمل، وہی آسمان کی گردش وہی رقیبوں کا ہجوم، وہی وصل وہی شراب وکباب غرض گھوم پھر کر، الفاظ بدل بدل کر وہی غفلت وفسق کی دعوت اور وہی کام ودہن (شہوانیت) کی پکار!

'نئے ادب' اور نئی شاعری کی عریانیاں یقیناً لائق نفریں اور سزاوار ملامت لیکن 'پرانے ادب' اور پرانی شاعری کو کیا صرف اس لئے بخش دیا جائے گا کہ وہ قدیم ہے؟ معیار ہمارے ہاتھ میں صرف عقل وشریعت کا ہے؟ اسکے پیمانے سے پرانے کو بھی ناپا جائے گا اور نئے کو بھی جانچا جائے گا۔

بقیہ ص ۱۵

تھیں۔ جب امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم ڈالا تو جاپان نے بغیر کسی شرط کے ۱۴ر اگست ۱۹۴۵ء کو ہتھیار ڈال دیے۔ انڈونیشیا کی اسلامی مسلح تحریکوں نے قومی تحریک استقلال سے ملکر سوکارنو اور محمد حتی کے نام سے ۱۷ر اگست ۱۹۴۵ء کو اعلان آزادی کر دیا یعنی جاپان کے ہتھیار ڈالنے کے تین بعد۔ اعلان آزادی کے بعد مسلمانوں نے ایک عظیم کانفرنس منعقد کی۔ یہ کانفرنس جوگجا میں منعقد ہوئی جو جاوا کے وسط میں واقع ہے۔ اس میں مسلمانوں کے تمام زعماء اور ممتاز اسلامی شخصیتیں اور فوج کے اہم اشخاص

شریک ہوئے۔ اس موقع پر یہ طے پایا کہ تمام اہم رہنماؤں اور اسلامی شخصیتوں پر مشتمل ایک اسلامی تحریک بنائی جائے۔ اس اسلامی کانفرنس نے ۲ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ کو یہ طے کیا کہ تمام مسلمانوں کو اپنی طاقت سے منظم و متحد کرکے مندرجہ ذیل مقاصد کے حصول کی کوشش کی جائے۔

۱۔ انڈونیشیا میں غلبہ اور طاقت مذہب اسلام کو حاصل ہو۔

۲۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق نظم مملکت چلایا جائے۔

اس طرح باضابطہ ایک نئی سیاسی اسلامی پارٹی کے قیام کا اعلان ۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو کر دیا گیا اس کا نام ماشومی تحریک قرار پایا۔ اس کا واحد مقصد انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شرعی احکام کا نفاذ تھا۔ ماشومی تحریک ایک طاقتور پارٹی تھی جس نے کھل کر اشتراکیت کا مقابلہ کیا۔ جب حکومت کی مشنری پر اشتراکیت غالب آنے لگی تو ماشومی پارٹی نے دوسری اسلامی جماعتوں کے اتحاد سے ایک محاذ مدافعت قائم کیا، انھوں نے رسائل اور مجلات کے ذریعہ ایک اسلامی ماحول اور فضا قائم کر دی مگر سوکارنو نے تمام رسائل کو بند کر دیا۔ اسلامی زعماء کو جیلوں میں بھر دیا۔ اشتراکیوں کے اثرات سوکارنو پر بہت زیادہ تھے لہٰذا انھوں نے پارلیمنٹ ختم کرا دی پھر ان کی کوششوں سے ماشومی جماعت خلاف قانون قرار پائی، اس کے ارکان کو بغیر مقدمہ کے جیلوں میں بھر دیا گیا۔ تحریک شباب المسلمین بھی غیر قانونی قرار پائی۔ اس لئے کہ ماشومی پارٹی اشتراکیت کی سخت مخالف تھی اور اسلام کی ترجمانی میں نہایت جری اور بیباک تھی۔

خدا کا شکر ہے کہ آج انڈونیشیا میں اسلام کا بول بالا ہے۔ غیر اسلامی عناصر اسلام کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں۔

توسیع مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ دار العلوم ندوۃ العلماء، عالم اسلام کا ایک بڑا علمی و دینی مرکز ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں بفضلہ تعالیٰ اہم دینی و علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ بیرونی ممالک، افریقہ، ملیشیا، تھائی لینڈ، یوگنڈہ، عمان، انڈونیشیا، تبت وغیرہ کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مرحلہ سے گذر چکی ہے، جس میں اہل خیر حضرات نے دل کھول کر حصہ لیا تھا لیکن چند ہی برسوں میں طلبہ کی تعداد بڑھ جانے نیز جمعہ و عیدین میں قرب و جوار کے نمازیوں کی آمد کے سبب مسجد پھر بہت تنگ ہونے لگی۔ اکثر شامیانہ لگانا پڑتا ہے، باہر سے آئے ہوئے معزز مہمانوں نے بھی اس تنگی کو محسوس کرکے توسیع کی طرف متوجہ کیا مگر اس ہوش ربا گرانی کے زمانہ میں اتنے بڑے کام کا شروع کرنا آسان نہ تھا تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے بھروسہ پر بروز جمعہ ۲ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۸ مئی سنہ ۱۹۸۱ء بوقت اشراق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی دامت برکاتہم کے ہاتھوں اس مبارک کام کا آغاز کر دیا گیا، اللہ کے فضل و کرم سے توقع ہے کہ اپنے گھر کی توسیع کے مراحل آسان فرمائے گا، موجودہ گرانی کے دور میں یقیناً یہ ایک اہم اور بڑا کام ہے، جس کے مصارف کا تخمینہ پانچ لاکھ سے کچھ زائد ہے۔

زیر تعمیر اضافہ ان شاء اللہ تین منزلہ ہوگا اور مسجد کے مسقف حصہ کے بقدر ان شاء اللہ توسیع ہو کر نمازیوں کے لئے دوگنی گنجائش نکل آئے گی۔

دار العلوم کی مسجد کی تعمیر عام مسلمانوں کے تعاون سے ہی ہوئی تھی جس میں خواتین نے بھی ہمت اور حوصلہ سے حصہ لیا تھا، امید ہے کہ اہل خیر حضرات اس مبارک کام میں فراخدلی کے ساتھ حصہ لیں گے۔

"مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنیٰ اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ"

ترجمہ: جس نے اللہ (کی عبادت) کے لیے مسجد بنائی اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(جناب) مصباح الدین صاحب
معتمد مال

(مولانا) معین اللہ صاحب ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء

(مولانا) محب اللہ صاحب ندوی
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

نوٹ: منی آرڈر، چیک اور ڈرافٹ بھیجنے کا پتہ: ناظم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳، ندوہ۔ لکھنؤ

اسلام میں رشوت کی حرمت کا حکم

شیخ احمد بن عبد العزیز آل مبارک، قاضی القضاۃ ابوظبی

سب تعریفیں اس ذات پاک کو زیبا ہیں جس نے حلال چیزوں کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا، اور لوگوں کے لئے خیر و شر کے فرق کو بیان فرمایا، وہی سب کا معبود اور ہر چیز سے باخبر مالک ہے، حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں، خدا کا درود وسلام ہو ان پر اور ان کے آل و اصحاب پر، اما بعد!

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے اور ان دونوں کے درمیان واسطہ بننے والے پر خدا کی لعنت ہو"۔

ایک دوسری روایت میں ہے،

"رشوت لینے والوں اور رشوت دینے والوں پر خدا کی لعنت ہو"۔

دوستو اور بھائیو! امت کی بے راہ روی، اس کے انتشار اور خلا کو بنیادی ارکان کو توڑنے اور معنوی طاقت کی کمزوری اور اپنے وجود کو متزلزل کرنے کے طریقہ کو اپنانے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امت کے افراد اجتماعی امراض پیدا ہو جائیں اور اخلاقی زوال آ جائے، جو اس کے ارکان کو توڑ دے اور اس کی زندگی کے ستون کو پاش پاش کر دے، امت کے افراد و خاندان میں انانیت و لاپرواہی عام ہو جائے جس کے نتیجے میں قوم کے اندر کمزور اور وہ موقع پرست لوگ پیدا ہو جائیں، جن کو اپنی نامناسب ضروریات یا اپنے ہی گھٹیا مصالح اور مادی فائدے کے سوا کوئی اور فکر نہ رہ جائے۔ اس صورت حال سے امت کا نظام بگڑ جائے گا اور آپس میں ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، اور اعتماد ایسی اجتماعی ضرورت ہے کہ جو اعتماد کھو دے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا جو اعتماد کی نعمت سے محروم ہو اس کی زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے،

ایسی قوم جس میں رشوت کا لین دین ہوتا ہے، اس کو نہ اطمینان و سکون ہوتا ہے نہ چین و آرام نصیب ہوتا ہے۔ رشوت ایسا مرض ہے کہ اس کی وجہ سے باہم تعاون کا لحاظ ختم ہو جاتا ہے اور دوسروں کی مدد کے جذبات کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی اس وقت تک پکا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

ایمان کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ انسان خود غرض اور موقع پرست نہ ہو کہ اس کو اپنے سوا کسی اور کی فکر نہ ہو، بس اپنی ذاتی ہی ضرورت کے بارے میں سوچتا ہو، بلکہ مومن کو تو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ سب کے لئے رحمت ہو، خندہ جبیں و پاک دل ہو، لوگوں کے لئے اچھی خواہشات رکھتا ہو، اس کا باطن صاف ستھرا ہو، اخلاق و چال چلن اچھے ہوں جو خیر و بہتری اپنے لئے چاہتا ہے وہی اپنے دوسروں بھائیوں کے لئے پسند کرتا ہو، اس کی فلاح و کامیابی کا آرزومند اور مصائب و آلام کے دفاع و خاتمہ کا ایسا ہی خواہشمند ہو جیسے خود اپنے لئے بھلائی کا خواہشمند ہوتا ہے، اسے اس بات کا شوق ہو کہ اس کے ہاتھوں اس کے مسلمان بھائی کو ایسا سلوک نصیب ہو جس سے اس کو خوشی و نفع ہو۔

سب سے زیادہ مہلک اجتماعی مرض جس میں قومیں مبتلا ہوتی ہیں اور پھر وہ انتشار و ادبار کی شکار ہو جاتی ہیں وہ رشوت ہے جو صاحب منصب و صاحب اختیار لوگوں میں پھیل جاتی ہے اور وہ دوسروں کا خون چوسنے کے عادی ہو جاتے ہیں اور اپنی خواہشات اور حیوانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اپنے بھائیوں اور ہم وطنوں کے حقوق مار کر اپنے منصب و اختیار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، جب ایسی فضا بن جاتی ہے تو عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں، حقوق پامال کئے جاتے ہیں اور امانتوں میں خیانت ہوتی ہے۔ باعزت لوگوں کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے اور کمینوں کو عزت و سرفرازی ملتی ہے، جو لوگ عزت و اکرام کے مستحق ہوتے ہیں، ان کی توہین کی جاتی ہے اور نکمے اور کمینے لوگوں کو اعزاز بخشا جاتا ہے، عہدے اور ملازمتیں خواہشات و بڑے ارادوں کی بنیاد پر دیے جاتے ہیں، صلاحیت و امانت اور اخلاص کی بنیاد پر نہیں اس صورت میں کوئی بھی شخص جس کا حق مارا گیا ہو اپنا حق حاصل نہیں کر سکتا، نہ کوئی مظلوم ظلم کے دور ہونے کی توقع کر سکتا ہے الا یہ کہ ان لوگوں کو رشوت دے جو اس شکایت کو دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، یا وہ خود صاحب جاہ ہو یا پھر چاپلوسی اور نفاق سے کام لے کبھی کبھی تو ان رشوت خوروں کی دناءت اس درجے کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ بلا شرم و حیا کے رشوت کی مقدار کا بھاؤ تاؤ کرتے ہیں، یہ گھٹیا طبیعت لوگ اپنے غرور و گھمنڈ کے سبب یا حرام کے نام سے بچنے کے لئے کبھی رشوت کا نام بدل کر ہدیہ یا اور کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں جو حدیث میں آتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں،

"کل لحم نبت من السحت فالنار أولیٰ بہ"۔

(ہر وہ گوشت جو حرام سے پرورش پاتا ہے اس کے لئے آگ زیادہ بہتر ہے)۔

کسی مسلمان کو یہ تو پوچھنا ہی نہ چاہئے کہ رشوت خوری سے کتنے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں، رشوت دینے لینے والوں سے قطع تعلق کئے بغیر، معاشرہ کی اصلاح اور اس کا سدھار نہیں ہو سکتا ہے، فساد کا خاتمہ فساد پھیلنے سے قبل اسی صورت میں ممکن ہے اور اس کے رواج پانے سے پہلے اس کی بیخ کنی کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، معاملات کو صحیح طور پر انجام دینا اور اس کو چلانا جو قوم کی بہتری کا ضامن ہو، اور اس کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کرے جبھی ممکن ہو سکتا ہے جب ایسے کارکنوں کی قدر ہو اور ان کو سراہا جائے، جو قوم و ملت کے بہی خواہ ہوں۔ ماہرین فن کی ہمت افزائی کی جائے، مخلص کارکنوں کو ان کی محنت و کاوش کا صلہ دیا جائے اور ایسے لوگوں سے احتراز کیا جائے جو قوم کی ضروریات و مصالح سے کھیلتے ہوں تاکہ خیر و امانت داری اور صدق و اخلاص کے اندر مسابقت کا جذبہ پیدا ہو اور کسی کمینہ اور دنی طبیعت شخص کی یہ جرأت نہ ہو کہ وہ شرفاء کے آڑے آئے اور ان کے لئے رکاوٹ بنے نہ ہی خائن کو وہ مقام و مرتبہ حاصل ہو سکے، جو امانت دار کو ملتا ہو، اسی وجہ سے رشوت دینے والا اور لینے والا نیز ان دونوں کے درمیان واسطہ بننے والا، یہ تینوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملعون گردانے گئے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اسلام خیر و بہتری کی دعوت دیتا ہے، وہ ایسے قانون کا داعی ہے جس میں خوبیاں ہی خوبیاں ہیں، جو نفس انسانی اور معاشرہ کو معنوی امراض و آلائش اور بداخلاقی کے جراثیم سے پاک کرتا ہے، وہ انسان کو عزت و بزرگی اور شرف و کرامت کی چوٹی پر پہنچاتا ہے اور اس کو وہ شایان شان رتبہ عطا کرتا ہے جو صاحب عقل و بصیرت قوم کے لئے زیبا ہے اور جسے خدا نے اپنی معرفت کے شرف، اور بار امانت کو اٹھانے کی عزت و کرامت سے نوازا ہے اور کائنات کی ایک ایک شئی کو انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے۔

اب اگر انسان ان اچھی صفات سے منحرف ہوتا ہے اور اس کی حدود اور پابندیوں کے دائرے سے باہر نکلتا ہے تو وہ از خود اپنے کو لعنت و توہین کا سزاوار بناتا ہے۔

رشوت دینے والے نے حقوق کو پامال کرنے اور لوگوں کی ضروریات و مصالح سے کھیلنے اور غلط طریقے سے لوگوں کے مال کو ہڑپ کرنے کا دروازہ کھولا ہے، اور گناہ و پاپ، اور ظلم و زیادتی جیسے بدترین کام میں تعاون کر رہا ہے، نہ کہ نیکی اور تقویٰ کے کام میں، اسی طرح رشوت خور نے اپنے نفس کو پراگندہ، مال کو ناجائز اور کھانے کو حرام کر لیا ہے، وہ روپے پیسے کا غلام بن کر رہ گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"من استعملناہ علیٰ عمل فرزقناہ ...

(بقیہ ص ۱۷ پر)

شملہ

ایک مختصر سفرنامہ

مولانا محمد زکریا صاحب، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

میرے ایک عزیز کئی سال سے شملہ میں سرکاری ملازم ہیں اور اپنے گھر بار کے ساتھ وہاں مقیم ہیں، اپنی ملازمت کے پہلے سال ہی سے ان کا اصرار تھا کہ میں گرمی کے موسم میں ایک بار شملہ ضرور آؤں لیکن انکے مسلسل اصرار کے باوجود میں ابتک شملہ نہ جاسکا تھا، اس سال مارچ یا اپریل میں انھوں نے پھر اصرار کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ یہ رمضان ان کے قیام شملہ کا آخری رمضان ہے اس کے بعد ان کا تبادلہ دہلی ہوجائے گا ان عزیز کے چھوٹے بھائی ندوہ میں پڑھتے ہیں، سالانہ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد ان کو بھی شملہ جانا تھا میں نے رمضان سے ایک ہفتہ عشرہ پہلے انھیں کے ساتھ شملہ جانے کا ارادہ کرلیا، لکھنؤ سے انبالہ تک ٹرین سے اور انبالہ سے شملہ تک بس سے سفر رہا، انبالہ سے بس چنڈی گڑھ اور کالکا ہوتی ہوئی شملہ جاتی ہے ٹرین کے سفر میں تو عام ٹرینوں کی طرح کچھ مسلمان نظر آتے رہے لیکن انبالہ سے شملہ تک غالباً کوئی مسلمان نہیں نظر آیا۔ تقسیم ہند کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا ہے، سہ پہر کو تین بجے کے قریب ہم لوگ اپنی منزل پر پہنچ گئے، شملہ سطح سمندر سے دو ہزار میٹر بلندی پر ہے، جون کے آخری ہفتہ میں بھی یہاں اچھی خاصی سردی تھی خصوصاً رات میں تو موسم سرما کی طرح اہتمام سے لحاف وغیرہ استعمال کرنا پڑتا ہے ممکن ہے مقامی باشندوں کا یہ حال نہ ہو لیکن دن میں تو سبھی لوگ سوئٹر اور گرم کپڑوں میں نظر آئے، دیگر پہاڑی مقامات کی طرح شملہ میں بھی بڑے حسین قدرتی مناظر ہیں، جن کو دیکھ کر بے اختیار زبان سے "ربنا ماخلقت ھذا باطلا" کے کلمات نکلتے ہیں۔

عصر کی نماز کے لئے جامع مسجد جانا ہوا جو ہماری قیام گاہ سے قریب ہی تھی۔ شملہ کے مرکزی علاقہ میں یہ مسجد واقع ہے اور دیکھنے میں واقعی جامع مسجد ہی معلوم ہوتی ہے۔ صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی ایک بڑا ہال ہے اس کے بعد ایک مختصر سا صحن اور پھر مسجد کا حصہ شروع ہوجاتا ہے، مسجد کا یہ حصہ بھی کافی وسیع و عریض ہے جس کی تعمیر میں زیادہ تر لکڑی استعمال کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ شملہ میں ۸ یا ۱۰ مسجدیں ہیں اور سب کم وبیش اسی طرح کی ہیں۔ اندر سے دیکھنے کا اور نماز پڑھنے کا اتفاق جامع مسجد کے علاوہ صرف بالو گنج کی مسجد میں ہوا یہ مسجد بھی بہت کافی بڑی ہے بالو گنج شہر کا ایک نواحی محلہ ہے یہ مسجد چند سال پہلے تک ایک مندر کے قبضہ میں تھی اور اس میں مندر سے متعلق ہندو مذہب کی تقریبات ہوتی تھیں۔ چند سال پہلے یوپی سے جاکر شملہ میں مقیم ہوجانے والے کچھ مسلمانوں کی کوششوں سے مسجد دوبارہ حاصل کرلی گئی ہے، مندر کے منتظمین اور عام ہندو بھائیوں نے کچھ زیادہ مزاحمت نہیں کی۔

یہ بات ذکر کرنے سے رہ گئی کہ شملہ کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب غالباً دو تین فیصد بھی نہیں ہے۔ البتہ کافی بڑی تعداد میں کشمیری مزدور ہیں جو ہر طرف پھیلے نظر آتے ہیں۔ پہاڑی شہر ہونے کی وجہ سے یہاں کسی سواری کے چلنے کا امکان نہیں ہے۔ ساری بار برداری یہی کشمیری مزدور اپنی مضبوط کمر پر کرتے ہیں۔ یہ لوگ مسجدوں پر قابض ہیں اور انھیں اپنے گھروں کی طرح استعمال کرتے ہیں لیکن دین سے تقریباً پوری طرح ناواقف ہیں مسجد میں نماز ہوتی رہتی ہے اور یہ بیٹھے رہتے ہیں مسجدوں میں عام طور پر نمازی نہیں آتے صرف امام اور مؤذن یا ایک دو مقتدی آجاتے ہیں۔ امام اور مؤذن کا انتظام غالباً سب ہی مساجد میں شملہ وقف نے کر دیا ہے۔ شملہ وقف پنجاب وقف بورڈ کے ماتحت ہے سنا ہے کہ کافی بڑا وقف ہے، مزید تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کرچکا ہوں مسجدیں کافی عالیشان ہیں جن سے ان کے بنانے والوں کی عظمت رفتہ کا پتہ چلتا ہے لیکن تقسیم ہند کے بعد سے "مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے" کا پورا پورا مصداق ہیں۔

پورے شہر میں کوئی دینی مکتب نہیں ہے بالو گنج کی مسجد کے امام اور ذمہ دار مولانا ممتاز احمد صاحب سے کئی بار ملاقات اور اس سلسلے میں گفتگو ہوئی مولانا ضلع مظفر نگر یوپی کے رہنے والے اور دیوبند کے فاضل ہیں بڑے فعال محنتی اور مخلص شخص ہیں۔ مولانا چاہتے ہیں کہ اپنی مسجد میں ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کرلیں جس کے لئے کم از کم دو کمروں کی تعمیر کی ضرورت ہے خوب محنتی اور فعال ہونے کے باوجود مولانا چندہ کرنے والوں کی دنیا سے ناواقف ہیں اللہ کے کچھ باتوفیق بندے ادھر توجہ فرمائیں تو انشاء اللہ یہ کام شروع ہوجائے، شملہ میں تقریباً ۸ مہینے سخت سردی رہتی ہے اس لئے طلباء کے پڑھنے اور رہنے کے لئے کمرے ناگزیر ہیں مسجد کی ملکیت میں کافی بڑی اراضی ہے مدرسہ یا مکتب کے علاوہ ان کشمیری بھائیوں کی فکر کرنے کی بھی کافی ضرورت ہے جن کی دینی حالت کا تذکرہ اوپر کرچکا ہوں۔ انکی تعداد صرف شملہ میں غالباً ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہے اور پورے ہماچل میں تقریباً پانچ چھ ہزار ہے میرے زمانۂ قیام میں ایک تبلیغی جماعت شملہ گئی تھی کچھ لوگ متوجہ بھی ہوئے لیکن ان حضرات کے آنے کے بعد پھر وہی حال ہوگیا۔ ان بھائیوں کے لئے تو تعلیم بالغان کی طرح کی کسی تحریک کی ضرورت ہے۔

اسی سفر میں چند دن کے لئے بلاس پور بھی جانا ہوا شملہ سے بلاس پور ۸۶ کلومیٹر دور ہماچل کا ہی ایک شہر ہے آزادی سے پہلے یہ ایک ہندو راجہ کی ریاست تھی جس میں صرف ایک مسجد ہے اور کچھ مسلم خاندان آباد ہیں۔

میرے حقیقی بڑے بھائی مولانا ظہیر عالم صاحب ۱۹۵۵ء میں بسلسلۂ ملازمت بلاس پور آئے تھے وہی اس مسجد کے ذمہ دار ہیں مسجد بڑی خوبصورت اور عالیشان ہے، مسجد کی جدید عمارت بھائی صاحب ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مسجد کے سامنے مسجد ہی کی ملکیت میں کافی بڑا میدان ہے اور مسجد کے عقب میں کچھ دکانیں اور کچھ کمرے بنا لیے ہیں جن کے کرائے کی آمدنی سے ایک چھوٹا سا مکتب چلتا ہے۔ بھائی صاحب نے ملازمت ترک کردی ہے اور اب تجارت کرتے ہیں۔

اس علاقہ کے حالات بھائی صاحب کی زبانی معلوم ہوئے پورے ہماچل میں صرف چند مکاتب ہیں۔ حالانکہ دیہات میں کافی مسلم آبادی ہے لوگ دین سے بالکل ناواقف ہیں جہالت اور غلط قسم کے رسم و رواج عام ہیں۔ بڑی محنتوں اور کوششوں سے کچھ اصلاحات ہوئی ہیں ورنہ پہلے تو یہ حال تھا کہ مسلمانوں کی شادیاں غیر مسلموں کے طریقہ پر ہوتی تھیں لوگ بغیر نماز جنازہ کے اپنے مردوں کو دفن کر دیتے تھے نماز ہی نہیں عام طور سے مسلمانوں کو کلمہ بھی یاد نہ تھا شہروں اور قصبوں کے مسلمان اپنا اسلام ظاہر کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اب بھی بلاس پور کے عام مسلمانوں کو مسجد سے کوئی تعلق نہیں۔ بھائی صاحب اپنے حالات کی وجہ سے وطن آنا چاہتے ہیں لیکن اس خیال سے کہ میرے بعد مسجد کا کیا ہوگا ابھی وہیں قیام کیے ہوئے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ مدرسہ کی کوئی صورت بن جائے تو مسجد کو اہل مدرسہ کے حوالہ کرکے چلے آئیں۔ ویسے بھی اس علاقہ میں دور دور کوئی مدرسہ نہیں ہے اور یہاں بھی مسئلہ صرف چند ہزار روپیہ کا ہے۔

میں نے اپنے سفر کے یہ حالات اور تاثرات جب سیدی ومطاعی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کو سنائے تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ ان حالات اور تاثرات کو تم تعمیر حیات میں شائع کرادو امید ہے کہ اللہ کے کچھ بندے جن کے دل میں دین کا درد ہے اور جن کو اللہ نے دینی کاموں میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے اس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے اسی امید پر حضرت مولانا کے حکم سے یہ مختصر سا سفرنامہ نذر قارئین کر رہا ہوں۔

جنٹلمین کی حالتِ زار

محمد مصطفےٰ امین
ترجمہ: حشمت اللہ متعلم تخصص ادب اول

ابھی حال میں جب انگلینڈ میں زبردست فسادات ہورہے تھے تو میں وہیں تھا، میں نے دیکھا کہ دکانیں لٹ رہی ہیں، موٹریں تباہ کی جارہی ہیں۔ گھر نذر آتش ہورہے ہیں، برقی قمقمے توڑے جارہے ہیں، سڑکیں میدانِ جنگ بنی ہوئی ہیں جہاں پولیس اور عوام باہم لڑ رہے ہیں۔ عوام مسلح ہیں اور پولیس خالی ہاتھ ہے...

ایسا معلوم ہورہا تھا کہ یہ وہ انگلینڈ نہیں ہے جسے میں نے بارہا دیکھا ہے، پورا شہر وحشت و بربریت کا اڈا بنا ہوا تھا، بچے خونخوار جانور معلوم ہورہے تھے، نظم وضبط کا نام ونشان نہیں تھا، سنگ و خشت کی تیز بارش نے قانون کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

یہ وہی انگلینڈ ہے جہاں قانون کے احترام کا یہ حال تھا کہ باشندگان انگلینڈ پولیس سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ شاہ و گدا سب اس کی ہدایات کے پابند تھے، لیکن آج قانون کی بالادستی ختم ہوچکی ہے، لوگ خوف و دہشت کے ماحول میں زندگی بسر کررہے ہیں، کچھ تو اپنے گھروں سے نکل کر پرامن مقامات پر جاچکے ہیں، لیکن اکثر رات کی تاریکی میں اپنے گھروں سے نکلنے میں خطرہ محسوس کررہے ہیں۔ سڑک پر چلنا خطرہ سے خالی نہیں ہے، عوام کے حملہ کے سامنے پولیس پیچھے ہٹ چکی ہے، لندن کے ایک محلہ میں جرائم پیشہ لوگوں نے پولیس اسٹیشن پر قبضہ کرلیا... قانون کا احترام جاتا رہا، اس لئے کہ پولیس اپنا اثر و وقار کھوچکی ہے، چند لڑکے گھر کی بوڑھی عورتوں پر حملہ آور ہوئے اور ان کو بری طرح زدوکوب کیا۔

ماضی میں جنٹلمین کو اپنی عزت و شرافت اور غیرت وحمیت پر فخر تھا کہ وہ عورت کے دفاع میں اپنی جان تک دے سکتا ہے اور آگ کی آغوش میں تڑپتے ہوئے بچے کو نکالنے کے لئے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جاسکتا ہے۔ میں اس تصور میں محو تھا اور شعلہ زن آگ کے سامنے تماشائیوں کو دیکھ رہا تھا۔ آگ بھڑک رہی ہے لیکن وہ اپنی جگہ کھڑے فائر بریگیڈ کا انتظار کررہے ہیں ایک لڑکا کسی دکان کے سائن بورڈ کا شیشہ توڑ کر اندر سے ٹیلی ویژن نکالنے کی کوشش کررہا ہے لیکن کوئی اس کو روکنے والا نہیں ہے۔ اتحاد و اشتراک کا جذبہ اس قوم سے فنا ہوچکا ہے، قانون شکنی روز مرہ کا معمول بن چکی ہے۔

مسئلہ کالے اور گورے کے درمیان کسی اختلاف یا امیر و غریب کی باہمی کشمکش کا نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہورہا ہے وہ بے کاری و بے روزگاری کا فطری نتیجہ ہے، وہاں بیکار افراد کی تعداد تیس لاکھ ہے، حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ دہشت پسندوں میں ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جن کی عمریں آٹھ سال سے زیادہ نہیں ہوتیں، یہ وہ بچے ہیں جنکے سرپرست بیکاری کی زندگی بسر کررہے ہیں، وہ اپنے والدین کے رنج وغم کا مظاہرہ کرنے کے لئے باہر نکلتے ہیں اور اس سوسائٹی کے خلاف بغاوت کرتے ہیں جس میں ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔

ہمارے خیال میں اگر انگلینڈ نے اس اہم اور نازک مسئلہ پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تو یہ اس کی سالمیت کے لئے زبردست خطرہ بن سکتا ہے۔ سب سے پہلے اسے بے روزگاری کا مسئلہ حل کرنا چاہیے، وہاں راکٹ اور جہاز وغیرہ کی تیاری کے لئے کروڑوں روپیہ کا بجٹ ہے، اس رقم کا معتد بہ حصہ ایسے کام میں صرف ہونا چاہیے جس سے بے روزگاری کا مسئلہ حل ہوسکے۔

انتشار و بدامنی کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ برطانیہ میں خانگی نظم و ضبط بالکل ختم ہوچکا ہے۔ بچے آزاد ہیں، لوگ اپنے بچوں کی پرورش سے غافل ہیں، یہ وہ بچے ہیں جو بلوغ سے پہلے ہی نشہ آور چیزیں اور نشاط انگیز گولیاں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ مجرم جس سزا کا مستحق ہے وہ اس کو نہیں ملتی ہے، میں نے جج کو مختلف جرائم پیشہ لوگوں کو ایک ہی طرح کی سزا دیتے دیکھا۔ بڑھتی ہوئی لاقانونیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اکثر کھیل کے مقابلہ جنگ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور کھیل کود کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے۔ کھیل کے میدان میں انگریز تماشائین نشہ کی حالت میں شراب کی بوتلیں اور سنگ و خشت لے کر جاتے ہیں۔ آخری بات یہ ہے کہ ٹیلی ویژن پر نمائش کی جانے والی فلمیں جو کشت و خون کے واقعات پر مشتمل ہوتی ہیں جرائم کا سبب بن رہی ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مذہب کا احترام باقی نہیں رہا جو ساری خرابیوں کی بنیاد ہے۔

بقیہ ص ۳

اگر مسلمان اپنی اجتماعی زندگی میں برداشت کے اصول کو اپنالیں تو مذکورہ بالا خرابی کی بہت کچھ روک تھام ہوسکتی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا ہمسر اور برابر کا صرف اپنی زبان ہی سے نہ سمجھے بلکہ عمل سے بھی سمجھے، اس کی رائے کو اپنی رائے کا ہمسر سمجھے، اس کی مصلحت کو اپنی مصلحت کے مساوی سمجھے، اگر دونوں کے رایوں یا مصلحتوں میں کہیں اختلاف رائے ہو تو اس کو خوش اسلوبی سے حل کرے، یا ایک کو دوسرے پر نہ ترجیح دے، بلکہ اس پر افتراق و مخاصمت کی نوبت حتی الوسع نہ آنے دے، اگر اس کی کوشش کی جائے اور اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے رہنمائی حاصل کی جائے تو بہت اصلاح اور بہتری پیدا ہوسکتی ہے اور پھر ملت صرف ترقی ہی نہیں کرے گی بلکہ اس کی نیک نامی اور اچھی شہرت بھی ہوگی، اور ملت کی ترقی اور شہرت کا فائدہ ملت کے افراد ہی کو پہونچے گا۔

غزوۂ احد میں حضور صلی اللہ علیہ نے اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا کہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، یا مدینہ سے نکل کر دشمن کو باہر ہی روکا جائے اور شکست دی جائے، تو مختلف رائے آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے کو نظر انداز فرماکر اپنے اصحاب کی رائے پر باہر نکل کر مقابلہ کرنے کا ارادہ فرمالیا اور تیاری مکمل کرلی، بعض کی رائے پھر یہ ہوئی کہ مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے، تب آپ نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں کہ طے کرلینے کے بعد پھر تغیر کیا جائے، اب یہی رائے ٹھیک ہے۔

دیگر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل مشورہ باتوں میں متعدد بار اپنی رائے پر اپنے صحابہ کی رائے کو ترجیح دی، لیکن جب وحی الٰہی سے یا اندرونی یقین و اعتماد سے کسی بات کا آپ نے فیصلہ فرمایا تو اس میں خواہ تمام صحابہ مختلف رائے کے ہوں آپ نے اپنی رائے پر ہی عمل فرمایا جس کی مثال صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

اجتماعی زندگی کا تقاضا تعاون اور رواداری سے چلتا ہے کہ ہم دوسرے کی بات کو اگر قبول نہ کرسکیں تو بہر حال اس کی مخالفت اور عداوت نہ شروع کردیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو محبت اور تعاون کی فضا ہی کو برقرار رکھیں، اس سے اجتماعی اتحاد و اتفاق باقی رہتا ہے اور ملت کامیابی کے راستہ پر چلتی ہے۔

سرزمین رنگ و بو لکھنؤ کے مسحور کن عطریات
شمامۃ العنبر
زعفرانی حنا
کارخانہ
محمد سلیمان محمد یوسف پرفیومرس
یوسف بلڈنگ ناداں محل روڈ لکھنؤ (انڈیا) سے طلب کیجئے

انڈونیشیا کی اسلامی تحریکیں

از، پروفیسر سید احتشام احمد ندوی، صدر شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا

انڈونیشیا ایک بڑا اسلامی ملک ہے جہاں مسلمانوں کی تعداد ۹۰ فیصدی سے متجاوز ہے۔ جس طرح یوروپی استعمار نے دوسرے اسلامی ملکوں کو غلام بنایا اسی طرح ہالینڈ نے اس ملک پر قبضہ کر لیا مگر مسلمانوں نے مختلف تحریکوں کی شکل میں اپنے کو منظم کر لیا اور متحد ہو کر استعمار کی فوجی طاقت سے ٹکر لی۔

بالآخر انڈونیشیا کو آزاد کرا لیا۔ ان اسلامی تحریکوں نے میدان جنگ میں جہاد کیا اور اپنی فوجی طاقت سے انڈونیشیا کی آزادی کو حقیقت بنا دیا مگر اس وقت قومی تحریک، اشتراکی اور دوسرے تمام عناصر مل کر ہالینڈ سے نبرد آزما تھے لیکن آزادی کی نعمت مل گئی تو پھر مسلمانوں کو خود مسلمانوں سے نقصان پہونچا اس لئے کہ مغربی استعمار نے اپنی عیاریوں سے باہمی اختلافات کیلئے زمین ہموار کر رکھی تھی۔ انھوں نے پہلے انڈونیشیا میں اشتراکیت درآمد کیا تاکہ اسطرح مسلمانوں میں پھوٹ پڑے پھر قادنیت کے مراکز کھولے۔ ان منظم سازشوں کے باوجود اسلام ایک زبردست نظریاتی قوت کی حیثیت سے انڈونیشیا میں باقی رہا اور بالآخر اس نے اس اسلامی ملک میں ایک طرف استعمار سے نجات پائی اور بعد میں اشتراکیت کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ معجزہ دراصل عظیم اسلامی تحریکوں کی جدوجہد اور مسلسل جہاد کا نتیجہ ہے۔

سب سے پہلے انڈونیشیا میں "شرکت داتنغ اسلام" تحریک کی تشکیل ۱۹۰۶ء میں عمل میں آئی۔ رفتہ رفتہ کئی اسلامی تحریکیں وجود میں آئیں جن سے مغربی استعمار کو خطرہ محسوس ہوا۔ پھر شمالی سومترا میں ایک اسلامی ریاست اتجے (ATET) موجود تھی جس کے تعلقات ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک سے بھی تھے۔ حکومت ہالینڈ نے اسلامی تحریکوں کے اثرات ختم کرنے کے لئے مشہور مستشرق سنوک ہور کو مقرر کیا اور اس سے کہا کہ وہ ایسی تدبیریں بتائے جس سے اسلام کا اثر کم ہو اور اسلامی تحریکوں کی طاقت ختم ہو جائے۔ یہ مستشرق ہالینڈ سے انڈونیشیا آیا اور مسلم ریاست اتجے شمالی سماٹرا میں اس نے قیام کیا جو اسلامی تحریکوں کا مرکز تھا۔ اس نے تین برس تک یہاں رہ کر حالات کا مطالعہ کیا اور مواد جمع کیا پھر اس نے انڈونیشیا کے مسلمانوں پر ایک کتاب انگریزی میں تصنیف کی جس میں اس نے ان کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی جو انڈونیشیا کی اسلامی سوسائٹی اور اسلامی تحریکوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس نے صاف اعلان کیا کہ انڈونیشیا کی ان اسلامی تحریکوں کو غیر ملکی ہتھیار اور عسکری قوت فنا نہیں کر سکتی، اور نہ ان کے لیڈروں کی گرفتاری کا ان پر کوئی اثر مرتب ہوگا، اس لئے کہ اسلام کی جڑیں انڈونیشیا کے مسلمانوں کے دلوں کے اندر گھر کر گئی ہیں اور اور پر خلوص اسلامی عقائد نے ان تحریکوں کو جنم دیا ہے۔ پھر اس نے استعماری حکومت کو مسلمانوں کے مسئلہ کے حل کے لئے تین اہم مشورے دیے۔

۱۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں میں غیر اسلامی تحریکوں کو رائج کیا جائے۔ ان کے اندر الحاد اور شک کے بیج بو دے جائیں۔

۲۔ مذہبی مابہ النزاع مسائل کو ابھارا جائے اور ان کے اندر اختلافات پیدا کئے جائیں۔

۳۔ قومی اور اشتراکی تحریکوں کو پروان چڑھا کر اسلامی تحریکوں کو کمزور کر دیا جائے قومیت کی بنیاد پر تحریک آزادی شروع کی جائے جس کی وجہ سے اسلامی عناصر کی قوت کم ہو جائے گی۔ دوسرا نفع یہ ہوگا کہ غیر ملکوں سے قومی بنیاد پر جنگ کرنیوالوں کو مدد نہ مل سکے گی۔ اسلامی ممالک بے تعلق رہیں گے۔

اس مستشرق نے مزید لکھا کہ اشتراکیت مسلمانوں میں الحاد و اختلافات پیدا کرنے کے لئے بالکل کافی اور ضامن ہے۔ جب اشتراکیت پیدا ہوگی تو مسلمان لازمی طور پر اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہوں گے۔ اسلامی تحریکوں کی توجہ حکومت ہالینڈ سے ہٹ کر اشتراکیوں کے مقابلہ پر صرف ہوگی، اسی لئے کہ جب مسلمانوں کے عقائد خطرے میں پڑیں گے تو وہ پہلے اسی طرف ملتفت ہونگے۔ مسٹر سنوک نے یہ مشورہ بھی دیا کہ حکومت کا کام صرف اشتراکیت درآمد کرنا ہے اس کو ان معاملات میں دخل نہ دینا چاہئے بلکہ آزاد خیال، ترقی پسند اور اشتراکیت زدہ عناصر کو پروان چڑھا کر چھوڑ دینا چاہئے، جب یہ دونوں باہم لڑیں اور کشمکش پیدا ہو تو حکومت کو تماشائی بن جانا چاہئے۔ اسی مشورہ کے مطابق حکومت ہالینڈ نے ہالینڈ کے مشہور اشتراکی لیڈر سینولٹ N. JEM SNEVLET کو دعوت دی کہ انڈونیشیا جا کر وہاں اشتراکی نظریہ کی اشاعت کرے۔

اس کو اپنے عقائد پھیلانے کا عمدہ موقع ملا حکومت کی سرپرستی میں۔ لہذا اس نے آکر بڑی دانشمندی سے ملحدانہ عقائد کی اشاعت شروع کی۔ اس نے براہ راست اشتراکیت کا نعرہ بلند نہیں کیا بلکہ آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ قدامت پرستی کی برائی کی مگر اس کی آواز غیر موثر رہی اور اسلامی تحریکیں ترقی کے منازل طے کرتی رہیں یہ دیکھ کر حکومت نے ایک دوسرے اشتراکی لیڈر کو انڈونیشیا بھیجا، ان دونوں نے مل کر پہلے آزادی کے گیت گائے پھر تجدد پسندی کی تلقین شروع کی۔ یہ لوگ اسلامی جماعتوں کے دوست بن گئے۔ اشتراکی شرکت اسلام پارٹی میں شامل ہو گئے، پھر انھوں نے یہ نعرہ بلند کیا کہ اشتراکیت حصول آزادی کا ذریعہ ہے اس کے بعد انھوں نے کمیونسٹ ڈیموکریٹک پارٹی کی بنیاد رکھ دی مگر ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی کہ انھوں نے اس کو ہالینڈ کی کمیونسٹ پارٹی کی شاخ قرار دیا جس سے انڈونیشیا کے عوام اس کے مخالف ہو گئے بعد میں ۱۹۱۹ء میں اس کا تعلق ہالینڈ سے ختم کرنا پڑا۔ اسی دوران دوسری عالمگیر جنگ کے جھونکے انڈونیشیا تک پہونچ گئے اور جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا انھوں نے تمام اسلامی تحریکوں کو خلاف قانون قرار دے دیا مگر اندر اندر وہ سب متحرک تھیں اور شرکت اسلام کے جھنڈے تلے متحد ہو گئیں۔ جیسے ہی جاپان نے ہتھیار ڈالے، ویسے ہی ۱۷ اگست ۱۹۴۵ء کو انڈونیشیا نے اعلان آزادی کر دیا۔ اس اعلان کے بعد ہالینڈ نے انڈونیشیا پر حملہ کر کے تمام زعماء کو گرفتار کر لیا مگر شرکت اسلام اور قومی تحریک کے ممبر مل کر قومی طور پر حکومت کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ نے حکومت ہالینڈ کو مجبور کر دیا کہ وہ گفت و شنید کے ذریعہ معاملہ کو طے کرے۔ بالآخر ہالینڈ نے انڈونیشیا کو آزاد کر دیا۔ اس کے بعد اصل کشمکش اسلام اور اشتراکیت میں شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی پشت پناہی ڈاکٹر محمد حتی کر رہے تھے اور اشتراکیوں کے طرفدار صدر جمہوریہ سوکارنو تھے۔ ڈاکٹر حتی بڑے متوازن مزاج اور اسلامی ذہن رکھنے والے معتدل انسان تھے وہ نائب صدر جمہوریہ تھے۔ سوکارنو نے کوشش کی کہ روسی حکومت کی سرپرستی میں اشتراکیت کو وہ انڈونیشیا میں قائم کر دیں چنانچہ ایک منظم سازش کر کے ۱۸ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو ممتاز علماء اور مذہبی ذہن رکھنے والے فوجی افسروں پر حملہ کر کے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور ۱۹ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو مادیون سے اشتراکی حکومت کا اعلان ہو گیا مگر چونکہ اسوقت تک ہالینڈ سے جنگ جاری تھی اور اس نے انڈونیشیا کی آزادی تسلیم نہیں کی تھی لہذا اشتراکیوں کا یہ اقدام قومی خیانت تصور کیا گیا اور مسلم تحریکوں اور عام مسلمانوں نے ڈاکٹر محمد حتی کی نگرانی میں خود فوج نے اس اشتراکی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

سوکارنو صدر جمہوریہ انڈونیشیا سے اسلامی تحریکوں کا تصادم شروع ہوا۔ انکی

ڈکٹیٹرشپ اور اشتراکیت پوری طرح واضح ہو گئی۔ مذکورہ بالا روسی اشتراکیت کی ناکامی کے بعد افتراق فتہ چینی اشتراکیوں سے زور بھرا۔ اس راہ میں ڈاکٹر محمد حتی مانع تھے اور وہ عضو معطل بن کر رہ گئے تھے، لہذا انھوں نے حکومت سے استعفیٰ دیدیا پھر وہ جگہ سوکارنو کے سقوط تک خالی ہی رکھی گئی۔ اب دوبارہ چینی اشتراکیوں سے ساز باز ہوا۔ پلان یہ بنا کہ پہلے جتنے اسلام پسند فوجی آفیسر ہیں ان کا قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ فجر سے قبل تمام افسروں کے گھروں پر حملہ ہوا اور سب بری طرح قتل کر دئے گئے اگر اتفاق سے ابو الحارث ناسیتون اور جنرل سوہارتو اس فوجی دستہ کی زد سے بچ گئے جو فجر سے ذرا پہلے ان کو ان کے گھر پر قتل کرنے کے لئے گیا تھا۔ ان دونوں جنرلوں نے فوج کی مدد سے اشتراکیوں کا خاتمہ کر دیا اور عوام نے بھی ان کا ساتھ دیا اس کے بعد سوکارنو کو استعفیٰ دینا پڑا۔

سوکارنو کے طویل عرصۂ حکومت میں اسلامی تحریکوں کو عذاب واذیت سے سابقہ پڑا۔ سوکارنو نے ماشومی پارٹی پر بڑے ظلم ڈھائے، اس کے ممبروں کو قتل کرایا اور جیلوں میں بغیر مقدمہ کے بند کر دیا۔ دار الاسلام پارٹی کے رہنما سویریو نے تو اعلان کر دیا کہ سوکارنو کو قتل کر دینا چاہئے کہ وہ اسلام دشمن ہیں۔

ان اسلامی تحریکوں نے ایک طرف اسلام کی مدافعت نظری طور پر کی۔ اور اشتراکیت و مادیانیت سے نبرد آزما رہیں دوسری طرف انھوں نے مسلح ہو کر ملک کو آزاد کرایا اور جہاد کیا پھر اشتراکیوں سے ان کو نپٹنا پڑا۔

اب میں ان اسلامی تحریکوں میں تین کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ شرکت اسلام

۲۔ دار الاسلام

۳۔ ماشومی پارٹی

ان کے علاوہ تحریک نہضۃ العلماء، تحریک التربیۃ الاسلامیۃ اور حزب اسلامی انڈونیشی بھی قابل ذکر ہیں۔

تحریک شرکت اسلام:

شرکت داتنغ اسلام سب سے پہلی اسلامی تحریک ہے جو جدید انداز پر وجود میں آئی۔ یہ تحریک حاجی سمعنودی نے شہر صولو میں ۱۹۰۵ء میں شروع کی۔ اسمیں مسلمانوں نے کثرت سے شرکت کی۔ یہ بڑی منظم تحریک تھی۔ ہالینڈ کی حکومت نے مختلف طریقوں سے اس کے اندر اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بالآخر اس تحریک نے اعلانیہ حکومت سے ٹکر لی اور مسلح جہاد شروع کر دیا۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے اپنی فعالیت کو بہت بڑھا دیا اور اپنے نام سے داتنغ نکال کر صرف شرکت اسلام باقی رکھا اور حاجی عمر سعید اس کے نئے صدر منتخب ہوئے۔

شرکت اسلام نے ۱۹۲۱ء میں اعلان کیا جو کیمونسٹ پارٹی کا ممبر بنے گا وہ شرکت اسلام کا رکن نہیں بن سکتا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اشتراکیوں اور اسلامی تحریکوں میں کشمکش کا آغاز ہوا۔ اشتراکیوں نے شرکت اسلام کے خلاف مہم چلائی، اس کو بورژوا عناصر کا ایجنٹ قرار دیا۔ رجعت پسند ٹھہرایا اور مالداروں کے مصالح کا ترجمان قرار دیا۔ شرکت اسلام نے اشتراکیوں کی خوں ریزی، اسلام دشمنی اور آدم خوری عوام کے سامنے واضح کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشتراکیوں اور مسلمانوں میں جنگ شروع ہو گئی اور کافی خوں ریزی ہوئی اس لئے کہ دونوں مسلح تھے۔ نتیجۃً ہالینڈ کے استعمار کو اپنی قوت مضبوط کرنے کا موقع مل گیا اور اس پر جنگ آزادی کا دباؤ کم ہو گیا دراصل مغربی استعمار نے اس نقطہ سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور عقائد میں تزلزل پیدا کرنے کے لئے اشتراکیت کو منظم انداز سے درآمد کیا تھا جس کے ثمرات حکومت کے لئے مفید ثابت ہوئے اس باہمی جنگ کے نتائج پر بحث اور غور و خوض کرنے کے لئے، شرکت اسلام پارٹی نے ایک کانفرنس شربون مغربی جاوا میں طلب کی۔

۱۹۲۵ء میں بعض علماء نے ایک تعلیمی تحریک نہضۃ العلماء کے نام سے شروع کی، ابتدا میں وہ صرف اسلامی تعلیم و تربیت کے مقاصد سے قائم کی گئی تھی۔ مگر مرور زمانہ کے ساتھ اسکے مقاصد کا دائرہ بڑھتا گیا حتی کہ وہ ایک سیاسی جماعت بن گئی اور اس نے عملاً سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا، مگر اس میں اور دوسری سیاسی تحریکوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اس تحریک کے پاس بہت سے مدارس، مکاتب اور سارے انڈونیشیا میں اسلامی تربیت گاہیں موجود ہیں جو دوسری تحریکوں کو میسر نہیں۔

حزب التربیۃ الاسلامیہ، نہضۃ العلماء اور دوسری اسلامی تحریکوں نے طلبہ کی ایسی جماعتیں تیار کر دیں جنھوں نے ہمت و شجاعت سے اسلام کی مدافعت کی اور غیر اسلامی نظریات کا توڑ کیا۔ ان مدارس نے اسلامی ذہن رکھنے والے دیندار طلبہ سے انڈونیشیا کو بھر دیا۔

اس تحریک کے اثرات مسلمانوں پر بہت گہرے پڑے، اس نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی خبر گیری کی، اسلامی عناصر کو متحد کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے آزادی کی جنگ میں زبردست حصہ لیا اور میدان کارزار کو اللہ اکبر کے نعروں سے گرم رکھا۔ شرکت اسلام نے خدمت اسلام کی راہیں کھول دیں۔ دوسری تحریکوں کے لئے یہ تحریک ایک نمونہ بن گئی۔

ہالینڈ کے استعمار نے اسلامی عناصر پر ضرب لگانے کی بہت سی تدبیریں کیں۔ اس نے عیسائیوں کو منظم کر کے انکی تبشیری سرگرمیوں کو انڈونیشیا میں تیز تر کر دیا۔ اس نے پادریوں اور ننوں کو پورے ملک میں پھیلا دیا۔ گرجا گھر کھول دیے، عیسائی مدارس کا جال بچھا دیا تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل پر مشنری تعلیم کے اثرات مرتب ہو سکیں۔

یہ دیکھ کر مسلمانوں نے عیسائی تعلیم کے مضر اثرات دور کرنے کے لئے تعلیمی تحریکیں شروع کیں چنانچہ "الجمعیۃ المحمدیۃ" کے نام سے حاجی محمود دحلان نے اسلامی تعلیم کی ایک تحریک چلائی تاکہ مشنری مدارس کے پھیلے ہوئے جال کا مقابلہ کیا جا سکے۔

کارتو سویریو نے (جو دار الاسلام پارٹی کے رہنما ہیں) یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ سوکارنو کو قتل کر دیا جائے اس لئے کہ ان کی وجہ سے اسلامی شریعت کا نفاذ انڈونیشیا میں عمل میں نہیں آنے دیا جاتا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انڈونیشیا میں بہت سی اسلامی جماعتیں ہیں جن میں سے جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا گیا باقی کے نام لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، ان میں بعض سیاسی اور بعض خالص تعلیمی ہیں۔ اسلامی تحریکوں کی فہرست درج ذیل ہے:

۱۔ شرکت اسلام پارٹی

۲۔ نہضۃ العلماء

۳۔ ماشومی

۴۔ التربیۃ الاسلامیہ

۵۔ شباب المسلمین

۶۔ حزب اسلامی انڈونیشی

۷۔ دار الاسلام

۸۔ اشتراکیت مخالف محاذ

انڈونیشیا کی ایک اہم اور طاقت اسلامی تحریک دار الاسلام ہے۔ اس تحریک کا مقصد انڈونیشیا میں اسلامی حکومت کا قیام ہے اس کے بانی کارتو سویریو ہیں جو ابتدائے امر سے آزادی کی تحریک میں شامل تھے چنانچہ سوکارنو لکھتے ہیں کہ،

"۱۹۱۸ء سے کارتو سویریو میرے سرگرم دوست رہے ہیں، ہم دونوں پہلو بہ پہلو جنگ آزادی میں ایک دوسرے کے شریک رہے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء کے عرصہ میں ہم دونوں ایک ہی گھر میں شہر باندونغ میں قیام پذیر تھے، ساتھ کھاتے پیتے اور مستقبل کے اقدام کے نقشے بناتے۔ البتہ ایک فرق ہمارے درمیان ضرور تھا کہ میں قومیت کی بنیاد پر جدوجہد کر رہا تھا اور وہ مذہب کی بنیاد پر جہاد میں مصروف تھے۔"

دار الاسلام ایک مسلح تحریک تھی اس کا مطالبہ اسلامی نظام حکومت کا قیام تھا۔ ۱۹۴۸ء سے اس نے اس راہ میں جدوجہد شروع کر دی۔ پہلے اس تحریک نے آزادی میں بھرپور حصہ لیا پھر اس نے اقامت دین حنیف کی کوشش میں غیر اسلامی عناصر سے ٹکر لی۔

انڈونیشیا کی آزادی کے بعد یہاں سب سے طاقتور تحریک جس نے اشتراکیت کا مقابلہ بڑی جرأت اور عزیمت سے کیا وہ ماشومی تحریک ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپان نے انڈونیشیا پر قبضہ کر لیا تھا اور تمام اسلامی تحریکوں کو غیر قانونی قرار دیدیا تھا مگر یہ تحریکیں خفیہ طور پر پوری طرح متحرک

(باقی [illegible])